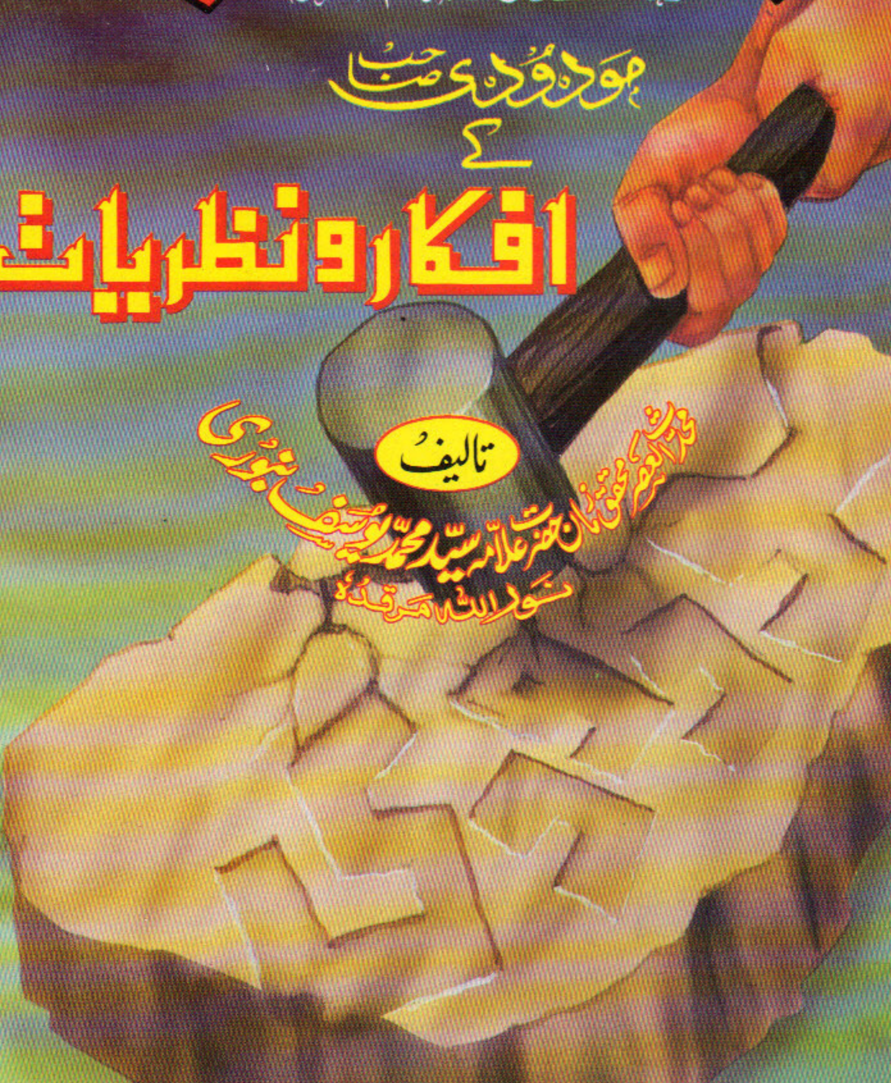
وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا سورۃ الفتح

اور قائم رکھا ان کو ادب کی بات پر اور
وہی تھے اسکے لائق اور اس کام کے (القرآن)

مودودی صاحب کے افکار و نظریات



تالیف

محدث العصر محقق زمان حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری
نور اللہ مرقدہ

مترجم

حضرت مولانا
ازاحمد اعظمی صاحب مدظلہ

ناشر:
المکتبۃ البنوریۃ
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

فہرست عنوانات

عرض ناشر

زیرِ نظر کتاب "مودودی صاحب کے افکار و نظریات"
محدّث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے عربی رسالہ "الأستاذ المودودي وشيءٌ من حياته وافكاره" کا اردو ترجمہ ہے، حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی صاحب کی شخصیت علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں ہے، موصوف نے انتہائی سلیس اور عام فہم ترجمہ کیا جو کہ انڈیا میں بھی شائع ہوا، اپنے اکابر کے حکم پر مکتبہ بنوریہ الحمدللہ اس کو شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہی ہے، مذکورہ ترجمہ کے ساتھ پہلی مرتبہ اشاعت ہو رہی ہے، کمپوزنگ کی اغلاط کا احتمال ہے، نشاندہی پر انشاء اللہ اگلے ایڈیشن میں اس کا تدارک کیا جائے گا۔

نیز اس سے قبل بھی الحمد للہ محدّث العصر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ رسالہ کا اردو ترجمہ پہلی مرتبہ مکتبہ بنوریہ نے شائع کیا تھا، جس کا ترجمہ ہمارے انتہائی مخلص حضرت مولانا فاروق حسن زئی صاحب زید مجدہ نے کیا تھا وہ بھی دوبارہ انشاء اللہ جلد جدید انداز میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوگی۔

جن احباب نے بھی اس کتاب کی تیاری میں تعاون کیا اللہ تعالیٰ ان کے علم اور عمل میں ترقی عطا فرمائے، اور اس کتاب کو عوام الناس کیلئے باعثِ ہدایت بنائے۔ آمین یارب العالمین۔

فقط والسلام

طلحہ رحمانی

حرف اول

موجودہ صدی کے نصف اول اور برطانوی حکومت کے عہد آخر میں غیر منقسم ہندوستان میں متعدد دینی اور سیاسی تحریکیں اٹھیں جن کی پیہم کاوش اور مسلسل جدوجہد کے نتیجے میں بالآخر انگریزوں کو بساط حکومت لپیٹنی پڑی اس دور میں مسلمانوں کی نظریں اس پر لگی ہوئی تھیں کہ انگریزوں کے رخصت ہو جانیکے بعد یہاں اسلامی حکومت کی تشکیل وتعمیر کی جائے تاکہ انگریزی حکومت کے ڈھائے ہوئے مظالم کی تلافی اور اس کے مذموم آثار واعلام کی بیخ کنی کی جاسکے اور مسلمانوں کیلئے ایسا اسلامی نظام مرتب کیا جائے جو عام بشری تمدن کی فلاح اور بالخصوص ملت اسلامیہ کے لئے امن وسلامت اجتماعیت وحکومت وغیرہ میں عروج وارتقا کا زینہ بن سکے ان حالات میں جبکہ عام طور پر کسی ایسی تحریک کا انتظار تھا جس سے یہ مقصد پورا ہو، مودودی صاحب نے اپنی تحریک ''جماعت اسلامی'' کا آغاز تجدید دین کے خوشنما اور جاذب نظر دعویٰ کے ساتھ کیا اور ''حکومت صالحہ'' کی تاسیس وتعمیر کا نعرہ لگایا۔ ان دنوں حالات کچھ ایسے تھے کہ بہت جلد مسلمانوں کا ایک طبقہ لبیک کہتا ہوا اس دعوت کے پیچھے چل پڑا۔ اس نے اس تحریک میں اپنی تشنگی بجھتی ہوئی اور قیادت کا خلاء پُر ہوتا ہوا محسوس کیا۔ مختلف حلقوں سے دادِ تحسین کی صدائیں بلند ہوئیں۔ اپنے بعض اکابر کی جانب سے بھی تائید وتقویت پہنچی اور بعض نے تو باقاعدہ شمولیت اختیار کرلی جسکے باعث یہ تحریک بہت

تیز گامی کے ساتھ آگے بڑھنے لگی اور اُس کا حلقہ اثر وسیع اور مضبوط ہوتا چلا گیا۔

مگر افسوس کہ مودودی صاحب کے قلم سے کچھ ایسی چیزیں نکلیں جن سے اربابِ فراست چونک پڑے انہوں نے اپنی نورانی قلوب اور بصیرتِ ایمانی سے محسوس کر لیا کہ مودودی صاحب کے افکار ونظریات میں ضلالت وگمراہی کا زہر، زمانہ قدیم سے اب تک اکابر واسلاف کی راہ سے انحراف وگریز اور ان پر طنز وملامت کے تیر ونشتر ......جسکے اہل ضلالت ہر زمانہ میں خوگر رہے ہیں...... موجود ہیں چنانچہ یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ موصوف کے نزدیک اسلام عہد اول ہی میں اپنے ماننے والوں کی کمزوریوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے ناکام ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کی ترقی وعروج کے مبارک ایام بس معدودے چند سال سے آگے نہ بڑھ سکے۔ اور ان میں بھی کمزوری وضعف کا ظہور ہوتا رہا۔

سبحان اللہ! جس دین کو تمام ادیان پر غلبہ دینے کا اللہ نے اعلان فرمایا قیامت تک اسے باقی رکھنے کا وعدہ کیا اور آنحضرت ﷺ نے بھی پکار کر فرمادیا کہ امت کا ایک گروہ قیامت تک حق پر قائم رہے گا، آپ کی امت "خیر امت" ہے، یہ امت کبھی گمراہی پر متفق نہیں ہوگی، اس امت کی مثال بارش جیسی ہے جسکے بارے میں نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا اول بہتر ہے یا آخر اور یہ کہ اس دین کے حامل اخلاف میں ہمیشہ ایسے عادل وثقہ ہوتے رہیں گے جو "تحریف غالین" اور "انتحال مبطلین" کو رد کرتے رہیں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات بینات اور آنحضرت ﷺ کے روشن وواضح ارشادات ہیں جو اس امر کی صراحت کرتے ہیں کہ ہر دور اور عصر میں اس امت کے اندر حق وسلامتی کی راہ باقی ودائم رہے گی۔

اگر کوئی شخص ان صاف وصریح ارشادات کے بعد بھی اس کے خلاف دعوی کئے جائے تو بلاشبہ وہ اللہ اور رسول کی تکذیب کرتا ہے تعجب ہے کہ کیا مودودی صاحب جیسے ہی افراد اس دین کی ''نشأۃ ثانیہ'' کریں گے جو کام خلفاً عن سلف کبھی نہ ہوا اسے انجام دیں گے مودودی صاحب کے ان طول طویل دعووں نے خاص خاص اکابر کو چونکا دیا بلکہ جھنجھوڑ دیا۔ حالانکہ وہ ایک درجہ میں حسنِ ظن قائم کر چکے تھے۔ صورتِ حال کے واضح ہو جانیکے بعد دین کے تحفظ اور اس شجرۂ ضلالت کے استیصال کے لئے یہ حضرات کمر بستہ ہو گئے۔

انہیں مخصوص اکابر میں برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صدیقی کاندھلوی دامت برکاتہم کی شخصیت بھی ہے جن کی علم حدیث میں متعدد بلند پایہ تالیفات ہیں اور جنہوں نے اپنی پوری زندگی تدریس وتالیف کے راستے سے خدمتِ علم میں گذار دی۔ شیخ نے ایک اہلِ علم کے نام جو مودودی صاحب کے افکار وخیالات سے متاثر تھے ایک مکتوب تحریر فرمایا تھا جو بعد میں طبع ہوا۔ حضرت شیخ الحدیث کی جانب سے اس پر مقدمہ لکھنے کا مجھے امر ہوا چنانچہ اس مبارک حکم کی تعمیل میں یہ چند سطریں لکھی گئیں۔ واللہ ولیّ الھدایۃ والتوفیق۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین سیدنا محمد خاتم النبیین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین ومن تبعھم الی یوم الدین.

امابعد! ازل سے کائنات عالم میں سنت الٰہی یہی چلی آرہی ہے کہ دنیا کا کوئی کمال ہو خواہ کسی فن میں حذاقت ہو یا کسی دنیوی صنعت میں مہارت، مثال کے طور پر آہنگری، نجاری، صباغی، دباغت، خیاطت، حیاکت یا ان کے علاوہ اور کوئی بشری صنعت ہو اس میں مہارت وکمال کی تکمیل بدون اربابِ فن سے استفادہ اور بغیر ماہرین سے اکتساب وتعلّم کے نہیں ہو سکتی، معمولی صنعتوں کا تو یہ حال ہے پھر سمجھا جا سکتا ہے کہ ان سے بڑھ کر جو علوم وفنون مثلاً علم طب، سرجری، ہندسہ، حساب، منطق، فلسفہ اور علوم طبعیہ وغیرہ ہیں ان کے حصول میں یہ چیز کس درجہ اہمیت رکھتی ہوگی۔ حالانکہ سب علوم وفنون خواہ کتنے ہی مشکل ہوں ان سب کی ایجاد واختراع عقل انسانی اور تجربات بشری ہی کی رہین منت ہے جب ان کا حال یہ ہے کہ ماہرین سے اخذ واستفادہ کے بغیر ان میں کمال نہیں پیدا ہو سکتا تو ایک قدم آگے بڑھ کر سوچئے کہ حقائقِ الٰہیہ، علوم نبوت، معارف رسالت، احکام شریعت، اور قرآن وسنت کا معاملہ کس درجہ اہم ہوگا جن کا سرچشمہ سرمدی اور جن کا سوتا ہمیشہ رواں دواں ہے جن کا تعلق وحی آسمانی اور عالمِ غیب سے ہے، لانے والے جبرئیل امین ہیں۔ مرکزِ نزول نبی امّی (فداہ ابی وامی) کا سینہ اطہر ہے اور یہ وہ علوم ہیں جن علوم کی وجہ سے آپ اعلم الاولین والآخرین قرار

پائے۔علیہ صلوٰۃ اللہ وسلامہ۔

اللہ عزّ وجل نے مُعلّم بنکر وحی ربانی کے ذریعے جس تک رسائی سے عقل انسانی کی پرواز قاصر ہے، تعلیم دی اور اور انبیاء نے متعلم اور مستفید بنکر یہ علوم اخذ کئے پھر انبیاء علیہم السلام سے اکتساب وتعلّم کے لئے ان کی قرب وصحبت، ان کے نورانی نفوس قدسیہ سے اقتباس نور، اور ان کے مقدس قلوب کی توجہات حاصل کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ مستفیدین کے قلوب اور ان کی تعلیم کی جانب ان حضرات کی علمی، عملی، روحانی توجہات، طبائع کی تشکیل، ان کے ظاہر وباطن کی اصلاح اور نفوس کے تزکیہ میں قرب وصحبت، بے حد مؤثر ہوتی ہیں بالآخر انہیں علوم میں رسوخ حاصل ہو جاتا ہے اور انبیاء کے نور سے ہدایت یاب ہو جاتے ہیں۔

یہی شاگرد وتلامیذ انبیاء کے اصحاب کہلاتے ہیں صحابی کا یہ لقب ان حضرات کے علم ودیانت، اخلاق وسیرت اور خوبیِ باطن کے فضل وکمال کی سب سے اعلیٰ تعبیر ہے۔ان کے مجد وثناء کے اظہار کے لئے اس کا ہم پایہ کوئی لفظ اور کوئی تعبیر نہیں۔کھلی بات ہے کہ معلّم کی توجہ اور افادہ میں جو تاثیر ہے وہ کسی کتاب میں لکھے ہوئے الفاظ وعبارت سے کیسے حاصل ہوسکتی ہے۔نبی کے ہی اصحاب، ان کے خلیفہ اور ان کے علوم ومعارف اور انوار وآثار کے بہترین وارث ہوتے ہیں ان میں جس کی صحبت نبی کے ساتھ جتنی طویل ہوتی ہے اور اس کی طبیعت میں جتنی قوت اور استعداد ہوتی ہے وہ اسی کے بقدر اخلاق وسیرت، طور وطریق اور ظاہر وباطن میں انبیاء کے مشابہ ہوتا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ استفادہ وتعلم سے استغناء درست نہیں ہے کسی کی صحبت

ورفاقت میں رہ کر سیکھنا ہی طریقِ مستقیم ہے پھر علوم نبوت اوران کی وراثت ہی نفوس کی ہدایت اور بندوں کی رشد وصلاح میں درحقیقت خلافتِ نبوت ہے پھر انسانوں کے ساتھ ابلیس لعین کی جیسی کچھ سخت عداوت ہے ظاہر ہے۔ آدمی پر طریق ہدایت اور راہِ ضلالت کو خلط ملط کر دینا اس کے بغض وعناد کا معلوم ومعروف طریقہ ہے۔ وہ انسانوں کے سامنے شر وضلالت مزین کر کے پیش کرتا رہتا ہے اور مختلف دقیق تدابیر سے وساوس القاء کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ شر خیر کی صورت میں اور خیر شر کی صورت میں محسوس ہونے لگتا ہے ایسی ہی آدمی کا ہمہ وقتی رفیق وجلیس یعنی ''نفس امارہ'' بھی قلبی امراض ورذائل، حبِ جاہ وشہرت، خودرائی، اتباعِ ہویٰ وغیرہ کی بنیاد ہے۔ ۳۳۴۷ جیسا کہ ان امراض کی جانب حدیث نبوی میں اشارہ ہے:

اذا رأیت شحا مطاعا وھوی متبعا ودنیا موثرة واعجاب کل ذی رایٍ برایه فعلیک یعنی بنفسه دع عنک العوام.

(رواه ابوداؤد من حدیث ثعلبة الخشنی)

جب تم دیکھو کہ بخل کی اطاعت عام ہوگئی ہے اور خواہشاتِ نفس کی پیروی ہونے لگی ہے اور دنیا کو ترجیح حاصل ہوگئی ہے اور ہر شخص اپنی ہی عقل ورائے پر پھولا ہوا ہے تو پھر تم اپنے آپ کو سنبھالو اور عوام کا معاملہ ترک کردو۔

یہ باطنی امراض نفس کے وہ مشکل ترین روگ ہیں جن کے علاج کے لئے مسلسل مجاہدات، کڑی ریاضت، اور کمالِ اخلاص وصدق عزیمت کے ساتھ ایسے مشائخ وارباب قلوب کی طویل صحبت کی ضرورت ہے جن کے نفوس تزکیہ وتربیت سے

جلا پا چکے ہوں۔ پھر یہ بھی کہ اللہ کی مشیت ازلی طبائع کی اصلاح و تربیت سے متعلق ہو چکی ہو تب کہیں ان کی تہذیب و آرائش ہوتی ہے ورنہ آدمی وادیٔ ضلالت میں ٹھوکریں کھاتا اور حیرانی و محرومی کے میدان تیہ میں بھٹکتا ہی رہتا ہے۔ تاریخ انسانی کا بغور مطالعہ کرنے والوں اور دنیا کے ذکی و ذہین افراد کے حالات جاننے والوں پر یہ بات مخفی نہ ہوگی کہ اکثر علمی فتنے بڑے بڑے علماء و فضلاء کی جانب سے اٹھے ہیں جو اپنی کاوش و تحقیق میں اس درجہ منہمک ہوئے کہ جمہور امت کی راہِ اعتدال سے بعید ہوتے چلے گئے ان کے افکار و خیالات میں تفرد و شذوذ کا عنصر غالب آتا گیا اور جادۂ حق سے دور نکل گئے۔ درحقیقت عالم کیلئے اس دنیا میں سب سے بڑا فتنہ "اعجاب بالرائے" خودرائی کا فتنہ ہے۔

غور کرو جب یہ حال محقق علماء اربابِ تبحّر اور اصحاب عقل و ذکاوت کا ہے تو پھر ایسے افراد و اشخاص کی گمراہی کس درجہ پہنچے گی جو اہل کمال سے اخذ و استفادہ بھی نہیں کر سکے ہیں انہیں کوئی ایسا مربی نہ مل سکا جو ان کی تربیت و تزکیہ کرتا اور اغلاط پر متنبہ کرتا رہے وہ اسی باطل گمان میں پڑے رہے کہ مطالعہ کتب کی رہنمائی ہی ان کے لئے کافی ہے۔ بالخصوص اگر انہیں ذکاوت و ذہانت اور قدرتِ بیان کا بھی کچھ حصہ ملا ہو تب تو پوری مصیبت ہو جاتی ہے۔ خائب و خاسر ہوئے، ظلمات میں گھس پڑے، ہفوات و خرافات میں مبتلا ہوئے پھر انشاء پردازی کی مہارت اور تیزی قلم کے زور سے عام مسلمانوں اور بالخصوص اپنے پیرووں کو گمراہ کرتے رہتے ہیں۔ ان کا قلم ہر میدان میں بڑی تیزی اور جوش کے ساتھ رقص کرتا ہوا چلتا ہے انہیں مباحث کے تحلیل و تجزیہ اور افکار و خیالات پر نقد و تبصرہ کی بڑی قدرت حاصل ہوتی ہے پس علم اگرچہ ناتمام

ہو مگر زورِ قلم فکر و نظر کو دامِ فریب میں گرفتار کرتا ہے عام لوگ جب ان کی بعض نفیس تحقیقات اور جاذب نظر تحریریں دیکھتے اور پڑھتے ہیں یا دقیق مباحث کو آسان تر تعبیرات میں بیان کرنے کی قدرت کا مشاہدہ کرتے ہیں تو بس اسی پر انہیں پسندیدگی کی سند دیدیتے ہیں اور ان کے افکار و نظریات پر فریفتہ ہو جاتے ہیں اس کے بعد جہاں جہاں ان کے اقوال اور تحریریں جمہور امت سے متصادم ہوتی ہیں تو جمہور ہی کو موردِ طعن بنایا جاتا ہے اور انہیں کے سر غباوت اور عجز بیانی کی تہمت تھوپی جاتی ہے بالخصوص جبکہ یہ مدعیانِ علم و تحقیق اوائل و اواخر سب پر تنقید بھی شروع کر دیں ان پر کوتاہئ فہم و ادراک کی تہمت اور عرفانِ حقائق سے کوتاہی عقل کا الزام دھرنے لگیں اور ان کی جماعت ان کی نصرت و حمایت میں اٹھ کھڑی ہو نیز ان کی تعریف و تائید میں ہر طرح کی باتیں کہنے لگ جائیں تب تو مصیبت عام، فتنہ سخت، اور پانی سر سے اونچا ہو جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پیشوا اور پیرو سب ہلاکت میں جا پڑتے ہیں پھر اگر آدمی بہت ذہین و چالاک بھی ہو کہ پسِ پردہ چیزیں نگاہ میں رکھتا ہو، قیادت و امارت کا حریص بھی ہو، اور اپنی بحث و تحقیق اور انشا پردازی کے زور کو تحریک کے فروغ اور اس کے نفوذ کا ذریعہ بھی بنائے تو معاملہ کی نزاکت خاصی بڑھ جاتی ہے اس کے بعد تو اللہ عزوجل کا یہ ارشاد صادق آنے لگتا ہے ﴿ لا عاصم الیوم من امر اللہ الا من رحم ﴾ آج اللہ کے امر سے بچانے والا کوئی نہیں الا یہ کہ وہی کسی پر رحم کرے۔

پناہ بخدا! "یہ مشتے نمونہ از خروارے" ہے۔

اس صنفِ اخیر میں ایک بڑی اور طاقت ور شخصیت جناب ابوالاعلیٰ مودودی

صاحب کی ہے جو ہمارے اس دور میں ابھری ہے بہت سی کتابوں کے مصنف اور مقالہ نگار، جن کی تالیفات مشرق ومغرب میں پھیلیں۔ دنیا کے اکثر حصے میں پہنچیں۔ ممالک عرب میں بھی مقبول ہوئیں۔ بہت سے لوگ اور بہت سے خطے متاثر ہوئے۔ کیونکہ انہوں نے قیادت وامارت کے دل فریب نعرے لگائے اور اس دعویٰ کے ساتھ اٹھے کہ عالم میں وہ تنہا فرد فرید ہیں جن کے جھود و مساعی ''اقامت دین'' ''تجدید دین'' و ''احیائے دین'' اور ''اقامت حکومت صالحہ'' کے لئے وقف ہیں اس سلسلے میں ان کا اسلوب تعبیر بہت خوشنما اور دلفریب ہوتا اس وقت ہندوستان کی تمام تر قوت حکومتِ برطانیہ کے غلبہ وتسلط کے مقابلے میں برسر پیکار تھی۔ مظلوم رعایا وظالم حکومت میں زبردست ٹکر چل رہی تھی۔ پورا ملک دو بڑی سیاسی پارٹیوں میں بٹا ہوا تھا اور ان کا شوروغوغا آسمان تک پہنچ رہا تھا ان سیاسی حالات میں مودودی صاحب کی شخصیت ابھری قدرتی طور پر مختلف حلقوں سے ان کی دعوت پر قبولیت کی صدائیں بلند ہوئیں اور ان طوفانی حالات میں جو اس وقت بحر متلاطم کی طرح موجزن تھے ان کے سیاسی افکار پر لبیک کہی گئی۔ اے کاش وہ اسی پر اکتفا کئے ہوتے اور تفسیر کی گہرائیوں میں نہ اترتے سنت پر مقالات نہ لکھتے، تفہیمات، تنقیحات اور دیگر مسائل پر رسائل تصنیف نہ کئے ہوتے جن کی نہ تو ان میں صلاحیت تھی اور نہ ان علوم میں رسوخ حاصل تھا۔

مناسب تو یہ تھا کہ ان کی کدوکاوش کا دائرہ مسلمانوں کو اتحاد واتفاق کا درس دینے اور انہیں خواب غفلت سے بیدار کرنے میں محدود ہوتا اتحاد کلمہ اور اتفاق جماعت کی اہمیت اور انتشار وافتراق کے اندیشہ کے پیش نظر عقائد وجذبات اور مسائل کی بحث بالکل نہ چھیڑتے۔ کاش اگر ایسا ہوا ہوتا تو آج وہ ایک عظیم شہرت کے مالک مقبول ومحبوب اور کامیاب وظفر مند لیڈر وقائد ہوتے۔ بڑا مبارک ہوتا اگر صرف اتنا ہی

ہوا ہوتا...... کیونکہ ان کے تیز گام قلم، انشا پردازی کے ملکہ، حسن تعبیر پرزبردست قدرت اور بہتر سے بہتر اسلوب کی صنعت گری میں ان کے کمال مہارت کی قلب ونظر میں بڑی تاثیر وگہرائی پائی جاتی ہے تاہم افسوس ہے اور شدید افسوس ہے کہ موصوف نے اپنے مقالات ومضامین میں زمانہ قدیم سے اب تک کے سلف صالحین، مفسرین، محدثین، فقہاء، ائمہ مجتہدین اور متکلمین سب ہی پر نقد وتبصرہ کا بازار گرم کردیا اور ایسی باتیں کر گئے جو دینی اور علمی کسی اعتبار سے قابل تحمل نہیں۔

افسوس کا باعث ایک یہ بھی ہے کہ مودودی نے انگریزی تعلیم صرف ہائی اسکول تک حاصل کی ہے اور عربی کی مبادیات گھر پر پڑھیں پھر حیدرآباد کے کسی کالج میں داخلہ لیا جہاں عربی تعلیم کے ساتھ ہی دینی تعلیم کی مبادیات سے بھی آشنا کرایا جاتا تھا۔ والد بزرگوار وکیل تھے اور فالج کے شکار ہوکر وکالت ترک کردی تھی۔ چار برس اس حال میں گذار کر وفات پاگئے۔ غفر اللہ ورحمہ۔

اس کے نتیجے میں مودودی صاحب عین عنفوان شباب میں تعلیم مکمل کرنے سے پہلے ہی کسب معاش کیلئے مجبور ومضطر ہوگئے۔ کسی زمانے میں بدقسمتی سے اردو کے ایک بڑے ادیب اور زبردست ملحد مصنف "نیاز فتحپوری" کی صحبت میں جا پہنچے" اور بڑی حد تک اس کی صحبت سے متاثر ہوئے (۱) چنانچہ خود مودودی صاحب لکھتے ہیں:

....

(۱) نیاز فتحپوری کا آخری انجام یہ ہوا کہ وہ دین سے نکل گیا اس نے جنت اور دوزخ کا مذاق اڑایا اس کے صریح کفریات کے باوجود علمائے اسلام کا اس کے مرتد اور کافر ہونے پر اتفاق تھا اس نے توبہ بھی کی اور کچھ دنوں اس پر قائم بھی رہا مگر پھر مرتد ہوگیا اور اپنے کھلے کفر پر جمارہا والعیاذ باللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ مولانا مودودی ص:۲۷ اسعد گیلانی۔

"ڈیڑھ سال کے تجربے نے سبق دیا کہ دنیا میں باعزت زندگی بسر کرنے کے لئے اپنے پیروں پر آپ کھڑا ہونا ضروری ہے اور معاشی استقلال کیلئے جدوجہد کے بغیر چارہ نہیں۔ فطرت نے تحریر وانشاء کا ملکہ ودیعت فرمادیا تھا عام مطالعہ سے اس کو اور تحریک ہوئی اسی زمانے میں جناب نیاز فتحپوری سے دوستانہ تعلقات ہوئے ان کی صحبت بھی وجہ تحریک بنی غرض ان تمام وجوہ سے یہ فیصلہ کیا کہ قلم ہی کو وسیلہ معاش قرار دینا چاہئے۔

یہاں انہوں نے اصل حقیقت سے پردہ اٹھادیا ہے اور اپنی نیت وخواہش کا اظہار کر ہی دیا۔ اب ان کے قدم آگے بڑھے اپنے بڑے بھائی ابوالخیر مودودی کی معیت میں اخبار "مدینہ" بجنور کی ادارت میں پہنچے بعض سیاسی حالات کے باعث وہاں سے علیحدہ ہوئے تو انجمن اعانتِ نظر بنداں اور ہفتہ وار جریدہ "تاج" سے رشتہ استوار کیا۔ خود لکھتے ہیں کہ میں وہاں کام کرتا رہا یہاں تک کہ جمعیۃ العلماء ہند نے حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب اور مولانا احمد سعید کی سرپرستی میں اخبار "مسلم" جاری کیا (اور میں اس سے متعلق ہوگیا)

مودودی صاحب کا بیان ہے کہ ۱۹۱۶ء سے ۱۹۲۱ء تک کا دور میرے لئے سخت ترین دور تھا۔ زمین مجھ پر تنگ تھی۔ شہر در شہر مارا مارا پھرا تعلیم مکمل نہ کر سکنے کا بھی افسوس تھا۔ مصائب دفع کرنے کی قدرت نہ تھی یہاں تک کہ میں نے دہلی میں (اقامت) اختیار کی اور اخبار الجمعیۃ میں جو جمعیۃ العلماء ہند کے اہتمام سے نکل رہا تھا مضامین لکھنے لگا اور پرائیوٹ طور پر تعلیم مکمل کرنے کی سعی بھی کرتا رہا مقصد یہ تھا کہ کچھ

کتابیں ادب و منطق اور تفسیر و حدیث کی پڑھ لوں۔مودودی صاحب پھر دہلی سے حیدرآباد چلے گئے اور سوچا کہ کسب معاش کا کوئی مستقل ذریعہ اختیار کریں چنانچہ تصنیف وتالیف کے مشغلہ میں لگ گئے ۔۱۹۳۳ء/۱۳۵۲ھ میں ماہنامہ ''ترجمان القرآن'' کیا۔۱۹۳۸/ ۱۳۵۷ میں ایک رئیس کی مالی اعانت سے پٹھان کوٹ میں ادارہ دارالاسلام قائم کیا اس ادارہ کے قیام میں ان کے معاون چار رفقاء کار مولانا محمد منظور نعمانی۔درحقیقت یہی بزرگ اس ادارہ کے قیام کے محرکت تھے۔مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا امین احسن اصلاحی، اور مولانا مسعود عالم ندوی تھے۔چند سال بعد ۱۹۴۱ء/۱۳۶۰ھ میں اپنی مشہور تحریک ''جماعت اسلامی'' کا آغاز کیا جب مودودی صاحب کے مقالات اور تصانیف ان کے سیال قلم سے بلیغ انشاء پردازی کے ساتھ نکلیں اور پھیلیں تو لوگوں کی نگاہوں پر چڑھ گئیں اور ہر طرف سے تعریف وتوصیف ہونے لگی چنانچہ بعض مشاہیر اہل علم مولانا مناظر احسن گیلانی ،سید سلیمان ندوی اور مولانا عبدالماجد دریابادی جیسے اکابرین کی جانب سے بھی خراج تحسین موصول ہوئے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ نوجوان طبقہ ان کی تحریروں پر ٹوٹ پڑا اور ان کے فضل وکمال کا معتقد ہوگیا۔اس طرح مودودی صاحب کا شہرہ خوب پھیل گیا لیکن بہت سے اہل علم اور ارباب فضل وکمال نے ان کے مضامین ومقالات کی خامیاں اور فکر ونظر کا تفردوانحراف محسوس کرلیا اور ان کی باتوں اور ان کے مقاصد......جن کیلئے وہ مختلف تدبیروں سے سعی وکوشش کرتے رہے تھے کے خطرناک عواقب وانجام اپنے روشن قلوب اور نورانی فراست سے بھانپ لئے۔سب سے پہلی جو تنقید ان پر کی گئی وہ مولانا مناظر احسن گیلانی کے قلم سے ہفت روزہ (صدق جدید) میں بعنوان ''خارجیت جدیدہ'' شائع

ہوئی۔ پھر خود مدیر صدق جدید مولانا عبدالماجد دریا آبادی کو بھی تنبہ ہوا چنانچہ ان کا قلم بھی ردمودودیت میں اٹھا اس کے بعد مولانا سید سلیمان ندوی اور پھر شیخ العصر و شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے ادھر توجہ فرمائی پھر ان کے ''عناصر اربعہ'' میں سے دو یعنی مولانا منظور نعمانی اور مولانا ابوالحسن ندوی نے جیسا کہ مجھے یاد ہے صرف چھ ماہ بعد ہی اِن سے علیحدگی اختیار کرلی۔ تیسرے رکن مولانا امین احسن اصلاحی ایک عرصہ تک ان کے رفیق کار رہے۔ مگر جب ان کے عقائد وافکار میں بہت سی ناقابل تاویل گمراہی محسوس کی تو وہ بھی الگ ہو گئے چوتھے رفیق مسعود عالم ندوی کچھ عرصہ ہوا انتقال کر گئے (سامحہ اللہ بفضلہ)

حاصل کلام یہ ہے کہ مودودی صاحب نے اساتذہ سے علم دین کی تحصیل وتکمیل نہیں کی۔ علوم عربیہ میں پختگی سرے سے حاصل ہی نہیں کی علماء کاملین وراسخین کی صحبت سے مستفید نہیں ہوئے۔ کچھ مبادیات سے آشنائی ہوئی اور مطالعہ وذہانت کے زور سے آگے بڑھ گئے۔ مختلف اوقات میں پرائیوٹ تعلیم حاصل کرتے رہے۔ پھر مزید برآں یہ کہ والد کا وصال ہو گیا اور موصوف ضروریاتِ معاش کی الجھنوں میں گرفتار ہو گئے۔ عنفوان شباب کا زمانہ اسفار اور جرائد ومجلات کی ملازمت کی نذر ہوا اس طرح وہ درمیان ہی میں رہ گئے۔ وہ انگریزی بھی اچھی نہیں جانتے کہ اس میں باقاعدہ لکھ پڑھ اور بول سکیں بس مطالعہ سے کچھ سمجھ لیتے ہیں کیونکہ اس کی بھی تکمیل نہ کر سکے تھے ان کی کتابوں کے جو انگریزی تراجم ملتے ہیں وہ سب دوسروں کے مرہون کاوش ہیں۔ عربی زبان پر بھی اتنی دسترس نہیں ہے کہ لکھنے پڑھنے اور بولنے کی قدرت ہو صرف سمجھنے کی حد

تک ہے ان کی جو عربی تالیفات پائی جاتی ہیں وہ درحقیقت مسعود عالم ندوی اور ان کے تلامذہ کے ترجمے ہیں۔ ان کے تمام تر عربی رسائل اسی نوع کے ہیں مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ ان سب پر...... من تالیفات المودودی...... لکھا ملتا ہے فی الاصل یہ محض ادعاء ہے۔

عام لوگوں نے اور بالخصوص علماء عرب نے سمجھا کہ مودودی صاحب نے بطور خود یہ کتابیں بلیغ عربی اور پختہ ادبی اسلوب میں تالیف کی ہیں مگر دور بیٹھے انہیں حقیقت حال کا علم کیسے ہوتا؟ ایک مرتبہ مودودی صاحب نے دمشق میں اردو مقالہ پڑھا تو مولانا علی میاں صاحب سے اس کی عربی ترجمانی کی درخواست کی گئی۔

مودودی صاحب کی یہ مختصر روداد حیات ہے۔ وہ اور کچھ ہونے سے پہلے ایک سیاسی لیڈر ہیں اور اردو کے صاحب طرز ادیب، انشا پرداز! قلم میں زور ہے۔ متعدد مشاہیر اُدَباء سے استفادہ کیا جن سے ابتداءً ان کی تحریریں متاثر ہوئیں۔ پھر خود ان کا ایک خاص اسلوب نگارش اور منفرد طرز تحریر ہو گیا۔ مباحث کے تحلیل وتجزیہ اور نظریات کی تنقیح وتنقید کا انہیں زبردست ملکہ ہے۔ ان کی بعض کتابیں بڑے عمدہ مباحث پر مشتمل ہیں مگر افسوس ان کا قلم بہک گیا اور گمراہ کن اور خطرناک افکار ومباحث بھی ان کی کتابوں میں شامل وپیوست ہو گئے جن سے لوگوں کے کان کھڑے ہو گئے اور اہل علم متحیر رہ گئے۔ اکابر علماء میں سب سے پہلے شیخ العصر شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے اس فتنے کے خطرناک عواقب وانجام کو محسوس کیا ان کے بعد تو متعدد علماء ان کے خیالات ونظریات کے رد وانکار کیلئے اٹھے لیکن چونکہ تردید کا ادبی اسلوب کچھ بہتر نہ تھا بحث بھی تشنہ تکمیل تھی یا رطب ویابس تمام چیزیں شامل

ہوگئی تھیں اور اہم وغیر اہم کا امتیاز نہیں کیا گیا اس لئے عام طور پر درجہ قبولیت تک نہ پہونچ سکیں تاہم تردیدات وقتاً فوقتاً لکھی اور شائع کی جاتی رہیں۔ میں عرصہ دراز تک تقریباً چالیس سال خاموش رہا اس دوران میں بسا اوقات ان کی ہفوات کے ناقابل برداشت گھونٹ بھی پینے پڑے۔

مجھ پر ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گذرا کہ میں نے ان کے فکری ضلال میں ان کی موافقت کی ہو تاہم بعض دینی مصلحتوں کے باعث میں نے سکوت ہی کو ترجیح دی کیونکہ ان کے مضامین جدید نسل اور نوجوان طبقہ ......جو الحاد و دہریت کے قریب ہو چکا تھا...... کے لئے ایک درجہ میں بہرحال مفید ثابت ہو رہے تھے۔ مودودی صاحب کی تحریروں میں یہ صلاحیت بھی ضرور ہے کہ "روشن خیالوں" کی بڑھتی ہوئی انانیت اور زبان درازیوں پر لگام لگا سکیں اس کے علاوہ جماعت کے ارکان کی جانب سے بھی سودمند چیزیں کبھی کبھی آتی رہتی تھیں۔ ان وجوہ سے ناپسندیدگی کے باوجود میں سکوت ہی کو بہتر سمجھتا رہا اور انہیں مجروح کرنا نہیں چاہا کہ نئی نسل ان سے متنفر نہ ہو جائے لیکن ادھر کئی برس سے حالات ایسے رونما ہوتے گئے کہ ان پر نقد و تبصرہ کرنے اور ان کی فکری کج روی ظاہر کرنے کے سلسلے میں میری طبیعت کشمکش سے دوچار ہوتی گئی اور سکوت طویل ہوتا گیا اب محسوس کرتا ہوں کہ خاموشی ایک ناقابل عفو گناہ اور شدید جرم ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ ان کے افکار و نظریات کا بے لاگ تجزیہ کرکے اور خوب چھان پھٹک کرکے بغیر کسی رعایت و مداہنت کے حق کا اثبات اور باطل کا ابطال کردوں کیونکہ امت کا فریضہ ہے کہ دین کی بنیادوں کو الحاد و تحریف کے رخنوں سے محفوظ رکھے اس ذمہ داری کا اقتضا ہے کہ یہ فریضہ بھی ادا کردیا جائے۔

بلاشبہ مودودی صاحب کی تالیفات میں کچھ نفع بخش عناصر بھی ہیں جن سے موجودہ نسل جدید کی اصلاح ہوسکتی ہے یقیناً اس حیثیت سے اسلامی اصول ومقاصد کو مؤثر اسلوب میں بیان کرنا ایک اچھی خدمت ہے مگر کیا کیا جائے مصیبت قدم آگے بڑھا چکی ہے۔ معاملہ کی نزاکت اور فساد کی نوعیت وسیع صورت اختیار کرگئی ہے لاریب اس کا گناہ ثواب سے بڑھا ہوا ہے۔ فائدہ کے مقابلہ میں نقصان زیادہ ہے۔ خیر پر شر غالب آچکا ہے میری تمنا تو یہ تھی کہ اس کام کا بوجھ وہ اٹھائے جو اس کا سب سے زیادہ اہل اور مستحق ہے اس کی شخصیت مشہور ومعروف ہے جس کا علمی فضل وکمال مسلّم اور جس کی کتابیں عرب وعجم میں مقبول ہیں اور جس کا دین کے تحفظ کیلئے کھڑا ہونا زیادہ سودمند ہوسکتا ہے بمصداق مثل عربی" اعط القوس باریھا "کمان اس کے بنانیوالے کے سپرد کرو۔

میرے علم میں ایسے دو حضرات ہیں جو جماعت کے رازداروں سے زیادہ واقف ہیں اور عام طور پر مسلمان بھی ان کی آواز پر لبیک کہیں گے۔ میرے نزدیک ان کی ذمہ داری سب سے بڑھ کر ہے تاہم افسوس ہے کہ ایک طویل مدت کے انتظار کے بعد بھی ان حضرات کی جانب سے کوئی آواز نہ اٹھی اور میری آرزو ناکام اور تمنا منقطع ہوکر رہ گئی۔ ایک صحابی کے یہ اشعار اس وقت کس قدر برمحل ہیں:

خلیلی غضا ساعة فتهجرا ولوما على احدث الدهر اوزرا

میرے دوست تھوڑی دیر چشم پوشی اور سکوت اختیار کرو اور زمانے کے حوادث پر ملامت کرو یا اسے ترک کردو۔

ولاخير فی حلم اذا لم تکن له بوادر تحمی صفوة ان يكدرا

ایسے حلم میں کچھ بھلائی نہیں ہے جس کے ساتھ کچھ جرأت وتیزی شامل نہ ہو جواس کی پاکیزگی کو مکدر ہونے سے بچائے رکھے۔

ولاخيرفی جهل اذا لم تکن له حليم اذا مااوردالامر اصدرا

اور ایسی تیزی بھی بری ہے جس کو لگام لگانے کے لئے کوئی حلیم نہ ہو کہ جب معاملہ آگے بڑھنے لگے تو وہ روک دے۔

مجبوراً اس کام کیلئے ہمیں کھڑا ہونا پڑا اور اس فرض کی ادائیگی ہم نے اپنے اوپر قطعی اور لازمی سمجھی کیونکہ ایمان کی محبت اور ایمان کا تقاضا ہر محبت اور ہر تقاضے سے بڑھ کر ہے۔بالخصوص ایسے شخص کے تعلق ومحبت سے جس کو اس کا فکر وقلم حق وصداقت سے دور وادئی ضلالت میں بھٹکا چکا ہو۔الغرض ہمارے نزدیک دین کا تحفظ اور مدافعت ہر شئی سے اہم اور مقدم ہے۔یہ تنقید وتبصرہ میرے اوپر بہت گراں ہے اور سمجھتا ہوں کہ اس کی وجہ سے مجھے طعن وملامت کا مورد اور سب وشتم کے تیروں کا نشانہ بننا پڑے گا بالخصوص ان کی اس جماعت کی جانب سے جو ان کی ظاہری آب وتاب پر فریفتہ ہے اور سمجھتی ہے کہ مودودی صاحب کی شخصیت وہ تنہا شخصیت ہے جو دین کی بے مثال خدمت انجام دے رہی ہے مثلاً رابطہ عالم اسلامی کے ارکان، نجد وریاض کے مشائخ، ان کے علاوہ بھی ممالک عربیہ کے بہت سے حضرات جو دین ومذہب سے شیفتگی کے باعث ان کی خدمات دیکھ کر ان کے گرویدہ ہوگئے ہیں۔

تاہم میرا خیال ہے کہ سعودی عرب کے علماء ان کی اردو تالیفات میں بھرے

ہوئے خرافات، حق سے انحراف، صحابہ کی تنقیص ومذمت، خلیفہٗ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی توہین وتذلیل، شرعی اصطلاحات اور قرآنی آیات میں تحریف وتبدیل اور سلف صالحین کی بے حرمتی سے اگر واقف ہوجائیں اور ان کے زہریلے اور خطرناک مواد پر مطلع ہوجائیں توسب سے پہلے وہی مودودی صاحب کی توقیر وجلال سے اظہار برأت اور ان کے افکار ومعتقدات کا ردوانکار کرینگے۔ ہم اہل عرب کی طبیعتوں اور مزاج سے واقف ہیں۔ بلاشبہ حق وصداقت کے صریح اتباع وانقیاد میں سب سے آگے ہیں اس میں کسی طرح کی مداہنت اور نہ رورعایت کی ان کے یہاں گنجائش نہیں ہوتی اور ضلالت وگمراہی کے منہ زور گھوڑے پر سختی سے لگام لگانیوالے لوگ ہیں۔ سنت پر عمل اور بدعت اور خرافات سے اجتناب میں نہایت شدت برتتے ہیں مجھے معلوم ہے کہ مودودی صاحب کی ظاہری چمک دمک سے یہ حضرات فریب کھاگئے ہیں اور ان کے لمبے چوڑے دعووں سے یہ سمجھے کہ پاکستان میں تجدیدواحیائے دین کے وہ تنہا داعی ومناد ہیں وہاں وہی بیچارے ایک مظلوم اور ستم رسیدہ ہیں جنہیں دین کی خاطر شدید مصائب وآلام برداشت کرنے پڑے ہیں اور یہ کہ ان کے کارناموں کی کوئی شخص ہمسری نہیں کرسکتا وغیرہ۔ لیکن ان کی کتابوں اور مضامین میں جو خرافات بھری ہیں اس کا انہیں کیا علم؟ ان سب کا عربی ترجمہ تو ہوا نہیں اور نہ ان کے کانوں تک وہ باتیں پہونچیں ترجمہ تو فقط ان کتابوں کا ہوا ہے جن سے مودودی صاحب کی شخصیت علماء عرب میں مقبول ومحبوب ہو پھر انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ مودودی صاحب کے قلب وجگر میں جاہ اور منصب اور لیڈری وقیادت کا کیسا بے پناہ جذبہ رچا اور بسا ہے اور ان کے مزاج میں کس درجہ کبر وپندار مسلط ہے۔ واالغیب عنداللہ۔

علمائے عرب کو اگر یہ سب امور معلوم ہو جائیں تو جیسا کہ ہمیں اندازہ ہے فورا مودودی صاحب سے اظہار برأت کریں گے۔ان کی سادگی طبع اور سلامتِ فکر کا ہمیں خوب تجربہ ہے کہ اگر عین بحث وجدال میں بھی ان پر حق واضح ہو جاتا ہے تو اسے فورا قبول کر لیتے ہیں ایسا بہت ہوا کہ بعض لوگ علم وقلم کی ظاہری آب وتاب کی وجہ سے ان کے نزدیک محبوب ومقرب ہوئے مگر جب حق وراستی سے ان کا بعد، بعض امور میں غلو اور جادۂ قدیم سے خروج ظاہر ہوا تو بغیر کسی مداہنت کے ان سے برأت ظاہر کی۔ فجزاهم الله خيرا۔اس کی مثال......صاحب مؤلف صراع اور ناصر البانی استاد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ وغیرہ ہیں۔

ہمیں امید ہے کہ علماء عرب مودودی صاحب کے بارے میں بھی نظر ثانی کریں گے اور ان کے بے بنیاد اور باغیانہ افکار وخیالات پر غور کریں گے والله يقول الحق وهو يهدی السبيل۔

خدا گواہ ہے کہ تردید مودودیت میں میں خالصا لوجہ اللہ کھڑا ہوا ہوں، مدح وثنا کی کوئی خواہش ہے نہ تحقیر وملامت کا کچھ خوف۔اس موقع پر سیدنا حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا شعر دہراتا ہوں

وذلک فی ذات الاله وان یشاء　　　یبارک علی اوصال شلو ممزع

اور یہ اللہ کی ذات کے بارے میں ہے اور اگر وہ چاہے تو جسم کے تمام ٹکڑوں میں برکت دیدے جب کہ ابو العلا معری نے لزوم مالا یلزم میں کہا ہے:

ونرجوا من اللہ ثواب مجازیا ولہ علینا فی القدیم تسلف

اور اللہ سے ہمیں بطور عوض کے ثواب کی امید ہے اور پہلے ہی سے ہمارے اوپر اسکے احسانات ہیں۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم نے اب سے بیس سال پہلے اپنے مدرسہ کے ایک استاذ مولوی محمد زکریا قدوسی جو مودودی صاحب کے افکار سے متاثر ہوکر جماعت اسلامی سے منسلک ہوگئے...... کے نام ایک خط لکھا تھا اور ازراہ ہمدردی انہیں مودودی صاحب کی کج روی اور گمراہی پر متنبہ کیا تھا اس کے علاوہ ایک مستقل کتاب بھی تالیف فرمائی تھی جس میں ان کے باطل نظریات اور گمراہ کن خیالات جمع کردیئے تھے۔ افسوس وہ کتاب طبع نہ ہوسکی البتہ مکتوب اولاً اردو میں شائع ہوا پھر ہمارے دوست جناب ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر ہزاروی نے اس کا عربی ترجمہ مع تخریج احادیث کے کیا ہم یہ مکتوب مبارک امت کے سامنے پیش کرتے ہیں اس میں مودودی صاحب کے فکرونظر کی جانب اشارے اور نتیجہ میں پیدا شدہ ضلالت وگمراہی کی نشان دہی کی گئی ہے۔ کتاب ناظرین کے پیش نظر ہے نقل واقتباس کی کچھ حاجت نہیں البتہ ان کی کھلی گمراہیوں کے چند نمونے بھی پیش کرتا ہوں۔

اب حالات کا تقاضا یہ ہے کہ میں علی رؤس الاشہاد اعلان کردوں کہ مودودی صاحب کجراہ گمراہ اور گمراہ کن ہیں ان کے مضامین ورسائل میں بہت ساری خرافات ہیں ان میں بعض موجب فسق ہیں اور بعض بدعت والحاد کا دروازہ ہیں بعض لائق سکوت، کچھ ایسی بھی باتیں ہیں جن سے قطعی یقین ہوجاتا ہے کہ وہ دین سے ناواقف اور جاہل محض ہیں ان میں تضاد بیان اور شدید قسم کی لغزشیں ہیں اور زمانہ قدیم سے اب تک کے سلف صالحین کی تجہیل وتحمیق ہے۔ اسلاف کے کارناموں کی یہ تحقیر اور نقد وتبصرہ

ان کی ناقابل تحمل خودرائی اوران کے مزاج میں جمی ہوئی ناخوشگوار کبروانانیت اور پندار کی واضح دلیل ہے۔ہم عنقریب اس پر مستقل کتاب(۱) تالیف کرنیوالے ہیں جس میں ان کی فکری ضلال کو بالاستیعاب جمع کریں گے یہ مختصر مقدمہ تو بس چند نمونوں سے زیادہ کا متحمل نہیں

ان اریـد الاالاصـلاح مـاسـتـطـعـت ومـاتـوفـیـقـی الا بـالله

علیه توکلت والیه انیب.

---

(۱) افسوس مولانا کا انتقال ہوگیا اور یہ ارادہ پورا نہ ہوسکا۔

مودودی صاحب کے نظریات

(الٰہ، رب، عبادت، دین، مودودی صاحب کی نظر میں)

(۱) مودودی صاحب اپنی کتاب "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ الٰہ، رب، دین اور عبادت، یہ چار لفظ قرآن کی اصطلاحی زبان میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ قرآن کی تعلیم سمجھنے کیلئے ان چاروں اصطلاحوں کا صحیح اور مکمل مفہوم سمجھنا بالکل ناگزیر ہے اگر کوئی شخص نہ جانتا ہو کہ الٰہ اور رب کا مطلب کیا ہے؟ عبادت کی کیا تعریف ہے اور دین کس کو کہتے ہیں؟ تو دراصل اس کے لئے پورا قرآن بے معنی ہو جائیگا۔ وہ نہ توحید کو جان سکے گا نہ شرک کو سمجھ سکے گا نہ عبادت کو اللہ کے لئے مخصوص کر سکے گا اور نہ دین ہی کو خالص کر سکے گا۔ اسی طرح اگر کسی کے ذہن میں ان اصطلاحوں کا مفہوم غیر واضح اور نامکمل ہو تو اس کے لئے قرآن کی پوری تعلیم غیر واضح ہوگی اور قرآن پر ایمان رکھنے کے باوجود اس کا عقیدہ اور عمل دونوں نامکمل رہ جائیں گے۔ (ص:۱۰) پھر دعویٰ کرتے ہیں کہ لیکن بعد کی صدیوں میں رفتہ رفتہ ان سب الفاظ کے وہ اصلی معنی جو نزول قرآن کے وقت سمجھے جاتے تھے بدلتے چلے گئے یہاں تک کہ ہر ایک اپنی پوری وسعتوں سے سمٹ کر نہایت محدود بلکہ مبہم مفہومات کیلئے خاص ہو گیا۔ اس کی ایک وجہ تو خالص عربیت کے ذوق کی کمی تھی اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اسلام کی سوسائٹی میں جو لوگ پیدا ہوئے تھے ان کے لئے الٰہ، رب، عبادت اور دین کے وہ معانی باقی نہ رہے تھے جو نزول قرآن کے وقت غیر مسلم سوسائٹی میں رائج تھے ان

ہی دونوں وجوہ سے دورآخر کی کتب لغت وتفسیر میں اکثر قرآنی الفاظ کی تشریح اصل معانی لغوی کے بجائے ان معانی سے کی جانے لگی جو بعد کے مسلمان سمجھتے تھے (ص:۱۲) پھر دعویٰ کرتے ہیں کہ ''پس یہ حقیقت ہے کہ ان چار بنیادی اصطلاحوں کے مفہوم پر پردہ پڑ جانے کی بدولت قرآن کی تین چوتھائی سے زیادہ تعلیم بلکہ اس کی حقیقی روح نگاہوں سے مستور ہوگئی ہے اور اسلام قبول کرنے کے باوجود لوگوں کے عقائد واعمال میں جو نقائص نظر آرہے ہیں ان کا ایک بڑا سبب یہی ہے (ص:۱۴) کتاب کے خاتمہ پر لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ نصر میں رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا امر فرمایا کہ فریضہ رسالت کی دائیگی میں جو کوتاہیاں آپ سے ہوئی ہوں ان سے استغفار کریں۔ مودودی صاحب کے الفاظ یہ ہیں۔

> ''اور اس ذات سے درخواست کرو کہ مالک اس تئیس سال کے زمانہ خدمت میں اپنے فرائض ادا کرنے میں جو خامیاں اور کوتاہیاں مجھ سے سرزد ہوگئی ہوں انہیں معاف فرمادیں''

بحث ونظر:

مودودی صاحب کے بیان سے معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا الفاظ کے معانی اور ان سے اللہ کی مراد نہ تو کسی اہل لغت نے سمجھی اور نہ ہی مفسرین ادراک کر سکے۔ اس میں کسی کا استثناء نہیں ہے۔ ایسا وسیع وعریض دعویٰ کہ موصوف کے سوا کسی نے اس کو نہیں سمجھا یہ انہیں کا حصہ ہے۔ پھر عجیب در عجیب بات ہے کہ مودودی صاحب نے جب اس کی تفسیر وتشریح کرنی چاہی تو انہیں ائمہ لغت جو ان الفاظ کے معانی سے بے بہرہ تھے

...... سے دریوزہ گری کرنے پر مجبور ہوئے۔ مزید لطف یہ ہے کہ متقدمین ائمہ لغت ابوعبیدہ، ابوعبید ابوحنیفہ دینوری اوران کے بعدازہری جوہری کے آستانہ تک بھی ان کی رسائی نہ ہوسکی اسی متاخرین مثلا ابن اسیر جزری کی ''نہایہ'' ابن منظور افریقی کی ''لسان'' اور فیروز آبادی کے ''قاموس'' کے گرد چکر کاٹ کررہ گئے...... بھلا ان سے کوئی پوچھے کہ جناب! یہ وہی لوگ تو ہیں جو مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے اس بنا پران الفاظ کے معانی ومراد جو عرب میں مستعمل تھے نہ سمجھ سکے پھر جب آپ کو ان کے حقیقی ومجازی معنی سمجھانے ہوئے تو انہیں بیچاروں کے دروازوں پر گداگری کرنے لگے یہ کیسے روا ہوگیا؟

ان دعووں کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کی گمراہی اور کج فکری کا دروازہ کھل جائے، ائمہ لغت اور تفسیر پر صدیوں سے جو اعتماد چلا آرہا ہے وہ پارہ پارہ ہوجائے اور قرآن کا معنی ومطلب سمجھنے میں ہر شخص کی عقل وفہم کے لئے من مانی دراندازی کا موقع مل جائے کہ نہ ائمہ لغت سے استدلال کی ضرورت ہو اور نہ مفسرین سے استشہاد کی حاجت! غور کرو جسے محمد بن جریر طبری نے نہیں سمجھا، جرجانی وزمخشری جس سے نابلد رہے ابن تیمیہ، ابن قیم اور ابن کثیر کو اس کی ہوا تک نہ لگی جو بات اگلے پچھلے کسی کے خانۂ دماغ میں نہ آسکی اب اس کو سمجھنے اور اس کا راز فاش کرنے کے لئے چودہ صدیوں کے بعد...... مودودی صاحب نے ظہور فرمایا ہے، تاریخ اسلامی میں یہ ایک طویل ترین تاریک خلاء گزرا ہے جس میں ان چار کلمات الٰہ، دین، رب، عبادت...... پر سیاہ پردہ پڑا رہا۔

میں پوچھتا ہوں کہ اس سے بڑھ کر بھی کوئی ضلالت وجہالت ہوسکتی ہے کہ

عرب وعجم کے اہل لغت، ائمہ حدیث وتفسیر، ارباب بلاغت وعربیت سب کے سب اس وقت سے لیکر آج تک ان الفاظ کی حقیقت سے ناواقف و بے بہرہ رہے اور ان پر پڑے پردے ایک ایسا شخص اٹھارہا ہے جو ٹھیک سے عربی نہ لکھ سکتا ہے نہ بول سکتا ہے اور سمجھنے کا حال یہ ہے کہ اردو تراجم کی رہنمائی سے کچھ چل لیتا ہے۔ اللہ اللہ اِلٰہ، رب عبادت، دین کے معانی اگر کسی نے سمجھے تو لات وعزیٰ کے پجاریوں نے اور پوری امتِ مسلمہ...... باوجودیکہ علوم نبوت کی حامل ووارث یہی امت ہے...... اب تک طبقہ بعد طبقہ اس سے غافل وناواقف رہی، سبحان اللہ اس سے بڑھ کر عقل وفہم سے دور آپ نے کوئی دعویٰ دیکھا ہے؟ ایک چیز جیسے کفار عہد جاہلیت میں سمجھتے رہے مسلمان اس سے عہد اسلام میں ناواقف ہوگئے جبکہ نبی کریم ﷺ انہیں کتاب وحکمت ہی کی تعلیم دیتے تھے اب یا تو آپ نے خود یہ معنی نہ سمجھے ہوں یا امت کو سمجھائے نہ ہوں (نعوذ باللہ) اور اگر بتایا تھا تو ایک مدت تک یہ علم منقطع کیسے رہ گیا؟ آخر یہ لمبے چوڑے دعاوی کیوں ہیں؟ بلاشبہ خواہش نفس اور قلبی مرض کا تقاضہ یہی ہے کہ اس نوع کے دعوے کئے جائیں ورنہ تاویل وتحریف کی راہ ہموار کیسے ہوسکے گی؟ بے شک یہ اس تاویل وتحریف کی تمہید اور پیش لفظ ہے جسکے ذخیروں سے ان کے رسائل اور کتابیں مالا مال ہیں چنانچہ اس کی مثال یہ ہے کہ مودودی صاحب نے اپنی کتابوں میں ان تمام امور کو عبادت قرار دیا ہے جن کے احکام شریعت میں موجود ہیں۔ مثلاً معاملات عُقود، عہد و میثاق، کاروبار دنیا، وسائل معیشت اور زندگی کے تمام ترنظم وانتظام یہ سب ان کے نزدیک عبادت ہیں۔ انہوں نے کھلے بندوں یہ دعویٰ کیا ہے کہ عبادت صرف نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ میں منحصر نہیں ہے اور نہ ان میں نجات ہے جب تک زندگی کے بقیہ اور تقاضے پورے نہ

کیئے جائیں اور اخیر میں تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اسلام میں عبادات بھی مقصد نہیں ہیں بلکہ وہ تو غلبہ واقتدار کے حصول اور حکومت کی تاسیس وتعمیر کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں اس کا فطری نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ادھر حکومت حاصل ہوا اور ادھر یہ ذرائع موقوف! کیونکہ ان کی غرض پوری ہوچکی پھر ان چاروں عبادتوں کی سرے سے ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ اس مضمون کی تفصیل حضرت شیخ الحدیث صاحب کے مکتوب(۱) میں ملے گی۔

غور کرو اس سے بڑھ کر ضلالت اور فکر کی کجی کہیں دیکھی؟ لیکن ان کی اکثر گمراہیاں ان کے مضامین ورسائل کے انبار میں اس طرح مخفی اور پوشیدہ ہیں۔ جیسے سخت چکنے پتھر پر سیاہ چیونٹی کی آہستہ خرامی! انہیں اس طرح تعبیر کرتے ہیں کہ بہت کم لوگ اس کو فکر وذہن کی گرفت میں لے سکتے ہیں اور اس میں کیا شبہ کہ یہ دور تاریک فتنوں کا دور ہے جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں ایک ایسے شخص کا ذکر کیا گیا ہے جو عقلمند ترین اور وسیع الظرف سمجھا جاتا ہوگا حالانکہ اسکے دل میں ایمان رائی کے دانہ برابر بھی نہ ہوگا۔ العیاذ باللہ. انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور آپ کی امت خاتم الامم۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

لایزال طائفة من امتی قائمین علی الحق لایضرّهم من خالفهم ولا من خذلهم حتی یاتی امر الله وهم علی ذلک.

(رواہ البخاری من حدیث معاویۃ)

....

(۱) یہ مکتوب اب جماعت اسلامی ایک لمحہ فکریہ کے نام سے ملتا ہے۔

میری امت میں برابر ایک جماعت حق پر قائم رہے گی کوئی ان کی مخالفت کرے یا چھوڑ دے انہیں کچھ ضرر نہ ہوگا تا آنکہ اللہ کا حکم آجائے اور وہ اسی حال پر ہونگے۔

اور بیہقی کی روایت ہے:

یحمل هذا الدین من کل خلف عدوله.

اس دین کے حامل اخلاف میں سے عادل وثقہ ہوتے رہیں گے۔

پھر کیا ممکن ہے کہ اسلام کی عمارت جن بنیادوں پر کھڑی ہے وہی مخفی رہ جائیں اور جس گمراہ کا جو جی چاہے۔ کلا ثم کلا ہرگز نہیں دین محفوظ ہے اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات بھی محفوظ ہیں۔ تمام حقائق شرعیہ بھی اپنے حقیقی خدوخال کے ساتھ موجود ہیں ان پر عمل بھی جاری ہے علمی و عملی ہر میدان میں واضح اور روشن بھی ہیں۔ اس میں کسی شک وتردد کی گنجائش بھی نہیں ہے۔

حاصل یہ کہ جب ان الفاظ کے معانی کسی نے نہیں سمجھے تو اب موصوف کو تاویل وتحریف کی کھلی چھٹی ہے انہیں اختیار ہے کہ انحراف وتغیر کا دروازہ چار پٹ کھول دیں۔ انہیں یہ بھی حق ہے کہ پوری امت مسلمہ کو علماء، فقہاء محدثین سمیت جاہل واحمق سمجھیں۔ فوا ویلاہ.

میرے خیال میں اتنی تنبیہ ان کی بحث وتحقیق کے خطرناک عواقب وانجام سمجھنے کے لئے بہت کافی ہے۔

پھر عجیب بات یہ بھی ہے...... جوانہوں نے اخیر میں لکھی ہے۔ کہ اللہ نے آپ کو فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں سرزد ہو جانیوالی خامیوں پر استغفار کا حکم دیا۔ آخر یہاں کوتاہی اور فریضہ ادا کرنے میں تقصیر کہاں سے آ گئی؟ شاید وہ یہ سمجھتے ہوں کہ استغفار کا تعلق صرف گناہ ہی سے ہے اس لئے لازماً ماننا پڑیگا کہ آپ قصور وار تھے اور یقیناً فرض منصبی کی ادائیگی میں آپ سے کوتاہی سرزد ہوئی تھی العیاذ باللہ۔ اس غریب کو اب تک یہ بھی نہیں معلوم کہ استغفار کے اور بھی محل ہو سکتے ہیں آپ نماز سے فارغ ہوتے تو استغفر اللہ، استغفر اللہ فرماتے تو کیا نماز بھی کار گناہ ہے جس سے استغفار کیا جائے۔ قضائے حاجت سے واپس ہونے کے بعد غفرانک فرماتے تو کیا یہ بھی معصیت تھی کہ اس سے استغفار فرمایا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سورہ فتح میں اعلان کر دیا:

لیغفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک وماتاخر ۔تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرمادے۔

یہ تو اللہ کی جانب سے آپ کی قدر افزائی کا عنوان اور تکمیل احسان کی ایک عمدہ تعبیر ہے ورنہ امت کا اس پر اتفاق ہے کہ نبی معصوم ہوتا ہے انبیاء کے استغفار کا منشا کچھ اور ہی ہوتا ہے جسے بے چارے مودودی صاحب کیا سمجھتے (مترجم) درحقیقت انہیں اللہ کی غایت معرفت اور اس کی عظمت وکبریائی کے شدت استحضار کے باعث جب یہ احساس ہوتا ہے کہ خدا کی شان عظمت اور جلال کے موافق حمد وثنا نہیں ہو پا رہی ہے تو وہ اپنے عجز وضعف کا اعتراف کرتے ہوئے استغفار کرنے لگتے ہیں۔ یہ ہے وہ تقصیر جس سے استغفار ہوتا ہے۔ صحیح مسلم میں حدیث وارد ہے:

اللھم لااحصی ثناء علیک انت کمااثنیت علی نفسک۔

یا اللہ میں آپ کی حمد وثنا کما حقہ نہیں کرسکتا۔آپ کی شان وہی ہے جوخود آپ نے بیان فرمائی ہے۔

یہاں کوئی گناہ ہے نہ معصیت، کوئی تقصیر ہے نہ زلت، فریضۂ رسالت ادا کرنے میں کوتاہی کہاں؟ اور بار نبوت کے تحمل میں نقص کدھر؟ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص اسی تاک میں رہتا ہے کہ کب اسے اپنی مجرمانہ ذہنیت ظاہر کرنے کا موقعہ ملے اور یہ اعلان کردے کہ انبیاء سب گنہگار تھے، عاصی تھے، خطاوار تھے۔عصمت ان کی دائمی صفت نہیں ہے چنانچہ اس کا اظہار ان کے قلم سے ہوہی جاتا ہے اور جو اعتقاد باطل ان کے قلب ودماغ میں راسخ ہے وہ ٹپک ہی پڑتا ہے سچ ہے **کل اناء یترشح بمافیہ**۔ برتن میں جو کچھ ہوتا ہے وہی ٹپکتا ہے آئندہ سطور میں اس کی مزید وضاحت انہیں کے بیان سے ہوگی (انشاءاللہ)

مودودی صاحب نے رسول اللہ ﷺ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی کوتاہیوں کا ذکر اپنی کتابوں میں بار بار کیا ہے۔یہ کوئی لغزش قلم نہیں ہے بلکہ ان کا اعتقاد راسخ اور خیال جازم ہے۔ان کے اصول موضوعہ میں یہ بنیادی قاعدہ ہے اس طرح کی ہفوات سے منصب نبوت مجروح ہوتا ہے اور دین کی اساس لڑکھڑا جاتی ہے۔ان کا اعتقاد ہے کہ عام بشر کی طرح نبی بھی ایک بشر ہے جو غلطی بھی کرتا ہے۔راہ راست پر بھی رہتا ہے۔مطیع بھی ہوتا ہے اور معصیت کا صدور بھی اس سے ہوتا ہے معصوم نہیں ہوتا ان کی کتابیں اور مقالات پڑھنے والا انہیں بڑے انشراح صدر اور اطمینان قلب سے یہ باتیں کہتا ہوا اور لکھتا ہوا پائے گا۔ان کے نزدیک نبی غیر معصوم

ہے، صحابہ میں جاہلی امراض بچے کچے رہ گئے تھے جن سے انہیں شفا حاصل نہیں ہوئی۔ یہ نظریات مان لینے کے بعد تو دین سے امان قطعی اٹھ جائے گا پھر ہم کس سے دین حاصل کریں؟ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

کل یدعی وصلا بلیلی　　　　ولیلی لا تقر بذاک

ان کی جماعت کے معروف و مسلم اہل علم مفتی محمد یوسف نیزی نے میرے مضمون جو بینات میں شائع ہوا تھا۔ کے رد میں لکھا ہے قرآن تو اس سے بھرا پڑا ہے کہ انبیاء بھی خطا کار و گنہگار تھے اور آپ ان کے لئے عصمت کا دعویٰ کئے جاتے ہیں ۔انا للہ۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جماعت کا اعتقاد یہی ہے اور اسے انہوں نے اپنے امیر سے اخذ کیا ہے۔

مودودی صاحب اور حکمت عملی

(۱)　　مودودی صاحب فرماتے ہیں جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

اسلامی اصولوں کی دو قسمیں ہیں ایک وہ کہ جن میں تبدیلی و تغیر کی گنجائش نہیں ہے جیسے توحید و رسالت۔ دوسرے وہ جن میں مصلحت کے تقاضوں سے تبدیلی ہو سکتی ہے پھر اس کی مثال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے۔

یا ایھا الناس انا خلقنا کم من ذکر و انثی و جعلنا کم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقکم. (سورۃ الحجر)

اے لوگو ہم نے تمہیں ایک مرد و عورت سے پیدا کیا اور قبائل اور خاندانوں میں بانٹ دیا تا کہ آپس میں شناخت رہے اور اللہ کے نزدیک معزز وہ ہے جو تم میں سب سے بڑھ کر متقی ہو۔

فرماتے ہیں کہ افراد و قبائل کے درمیان یہ ایک منصفانہ اصول ہے جو ہر نوع کے قبائلی اور خاندانی تعصب اور تفریق کا خاتمہ کرتا ہے اور اس میں اس امر کی وضاحت ہے کہ بزرگی اور افضلیت کا مدار تقویٰ پر ہے خدا نے یہ بیان کیا اور رسول نے اس پر عمل کیا چنانچہ آپ ﷺ نے بار بار اعلان فرمایا اور اس کی وضاحت کیلئے غلاموں وغیرہ کو مختلف عہدے سپرد کئے اور یہ نظام قائم کرنے کے لئے جدو جہد فرمائی مگر بہت جلد ایک وقت ایسا آیا...... جب آپ کو نظام مملکت استوار کرنا ہوا...... تو آپ نے یہ اصول اساسی ترک فرمادیا اور ہدایت فرمائی کہ الائمة من قريش۔ خلیفہ قریش ہی کا کوئی فرد ہوگا۔(۱)

یہ مضمون جناب حکیم محمد اشرف صاحب نے رسالۃ المنیر شمارہ ۲۱ جنوری ۱۹۵۸ء میں ان کی اس فکری غلطی پر طویل نقد کرتے ہوئے نقل کیا ہے۔ مودودی صاحب کہتے ہیں کہ عرب اس کو برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ امارت و خلافت کسی عجمی کے ہاتھ ہو بلکہ انہیں یہ بھی گوارہ نہ تھا کہ کوئی غیر قریشی ان کا حاکم ہو اس لئے اقامت دین کی مصلحت سے رسول اللہ ﷺ نے قرآن کے بتلائے ہوئے اس بنیادی اصول پر عمل ترک کر دیا اور اپنے اصحاب کو بھی اس سے منع فرمادیا۔ ترجمان القرآن میں "جماعت اسلامی کا موقف" کے عنوان سے یہ مضمون مفصل شائع ہوا ہے۔

....

(۱) اصل مضمون ہمارے سامنے نہیں فقط عربی کی ترجمانی پر اکتفا کیا ہے (مترجم)

بحث ونظر:

یہ خطرناک قسم کی فکری گمراہی ہے جسے کوئی تاویل صحیح محل پر نہیں اتار سکتی نہ اس پر نقد وتبصرہ کی ضرورت ہے اس کی قباحت روز روشن کے مانند واضح ہے جو ہر دلیل و برہان سے قطعی بے نیاز ہے کیونکہ اس نظریہ کے مطابق تو خواہ کوئی عبادت یا دین کا کوئی رکن ہو نماز، روزہ ہو یا حج وزکوٰۃ ہر ایک میں نظام حکومت کی مصلحتوں کے تحت تغیر وتبدل ہوسکتا ہے۔ اس کا نام وہ حکمت عملی رکھتے ہیں اور قریب قریب تمام اصول شرعیہ میں اس کی گنجائش ثابت کرتے ہیں۔

غور کرو اس سے بڑھ کر کھلی گمراہی اور واضح کج فکری تم نے دیکھی؟ مودودی صاحب نے اپنے اس ایجاد کردہ اصول سے اس وقت کام لیا جب پارلیمنٹ کے انتخابات چل رہے تھے اور فاطمہ جناح، مرحوم صدر ایوب کے مقابلے میں کھڑی ہوئی تھیں چنانچہ مودودی صاحب اپنی پوری جماعت لیکر فاطمہ جناح کی تائید وحمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی تمام تر قوت ان کو کامیاب بنانے میں لگادی انہوں نے بڑے شد ومد سے اعلان کردیا کہ محترمہ فاطمہ جناح کے اندر حکومت کی اہلیت وصلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے جب کہ صدر ایوب اس سے قطعی کورے ہیں اس لئے پاکستان کی صدارت کے مستحق دراصل وہی ہیں۔ اس پر جب علماء نے اعتراضات کئے کہ اسلامی اصول میں عورت کی قیادت وامارت کی گنجائش نہیں ہے اور ان کا صدر مملکت بننا کسی طرح درست نہیں ہے تو جھٹ اس اصول کی پناہ لی کہ یہ قاعدہ...... کہ عورت صدر مملکت نہیں بن سکتی...... ایسا ہے جس میں تبدیلی کی جاسکتی ہے۔ یہ توحید ورسالت جیسا اصول نہیں

ہے اور اب تو اسی حکمتِ عملی کے اصول پر جماعتِ اسلامی کا تمام تر دار و مدار ہے۔(۱)

مودودی صاحب نے یہ اصول پوری شدت کے ساتھ شائع کیا جرائد ومجلات میں طول طویل مقالات لکھے جلسوں اور کانفرنسوں میں زوردار تقریریں کیں اور ملک میں اس کا شوروغوغا مچا کر آسمان سر پر اٹھالیا اس نظریئے میں ان کے بعض خواص اور دیرینہ رفقاء بھی ساتھ نہ دے سکے چنانچہ مولانا امین احسن اصلاحی کے جماعت سے استعفا دینے کا سبب یہی نظریہ بنا۔ حالانکہ وہ مودودی کے سایہ سے بڑھ کر رفیق وجلیس تھے۔ انہوں نے کوشش کر کے مودودی صاحب کو جماعت میں اس بلند رتبہ تک پہونچایا اور ان کے بہت سے افکار ونظریات کو سجابنا کر پیش کیا۔ ان کی نصرت وحمایت میں اپنی تمام تر قوت صرف کردی۔ مگر وہ بھی اس قلابازی کے بعد ساتھ نہ چل سکے اور یہ تلخ گھونٹ ان کے حلق سے نہ اتر سکا۔ ناچار مفارقت اختیار کی اور کفِ افسوس مل کر رہ گئے کہ افسوس اپنی قوت، جوانی اور مہارت وجرأت تمام تر اس گمراہ شیخ کے پیچھے ضائع کردی۔

مودودی صاحب اور عصمتِ انبیاء

(۴) مودودی صاحب لکھتے ہیں: عصمت دراصل انبیاء کے لوازم ذات سے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو منصب نبوت کی ذمہ داریاں صحیح طور پر ادا کرنے کیلئے مصلحتاً خطاؤں اور لغزشوں سے محفوظ فرمالیا ہے۔ ورنہ اگر اللہ کی حفاظت تھوڑی دیر کے لئے ان سے جدا ہو جائے تو جس طرح عام انسانوں سے بھول چوک اور غلطی ہوتی

....

(۱) حکمت عملی اور شیعوں کے اصول تقیہ میں مماثلت پر غور کرلیا جائے (مترجم)

ہے اسی طرح انبیاء سے بھی ہوسکتی ہے اور یہ ایک لطیف نکتہ ہے کہ اللہ نے بالارادہ ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت اپنی حفاظت اٹھا کر ایک دو لغزشیں سرزد ہو جانے دی ہیں تا کہ لوگ انبیاء کو خدا نہ سمجھ لیں کہ یہ بشر ہیں خدا نہیں ہیں۔

(تفہیمات دوم ص: ۵۷ طبع ثالث)

بحث ونظر:

کارہائے نبوت میں انبیاء کی عصمت امت کا متفقہ مسئلہ ہے۔ بعض اوقات عصمت کی نفی بیحد خطرناک ہے کیونکہ وہ "بعض اوقات" متعین تو ہیں نہیں پس اس لطیف نکتہ کی کثافت سے بالکل واضح اور شان نبوت میں بیحد قادح ہے۔ پھر کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ فلاں کام آپ نے اس وقت کیا ہے جب آپ کی عصمت مرتفع ہو گئی تھی۔ اب اس کے بعد نبوت پر اطمینان کا کیا ذریعہ باقی رہ جاتا ہے۔ علمائے امت نے اس مسئلہ میں جو کچھ کہا ہے وہ یہ ہے کہ...... نبی ﷺ کبھی کبھی اجتہاد فرماتے تھے اگر کسی وقت اجتہاد مرضیِ الٰہی کے مطابق نہ ہوتا تو فوراً اطلاع کر دی جاتی تھی اگر اجتہاد کے بعد کوئی وحی نہ آتی تو معلوم ہو جاتا کہ یہ اجتہاد مرضیِ الٰہی کے مطابق ہے...... خود دیکھ لو اس میں اور مودودی صاحب کے قول میں کتنا فرق ہے۔

مودودی صاحب تو اس بات کی بھی تصریح کرتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام شرارتِ نفس سے محفوظ نہ تھے چنانچہ داؤد علیہ السلام سے غلطی ہوئی، یونس علیہ السلام سے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہی ہوئی، موسیٰ علیہ السلام جلد باز تھے، آدم علیہ السلام غلبہ حرص کی وجہ سے معصیت کی پستی میں جا پڑے اور بھی بہت سی خرافات ہیں

جوان کی تالیفات میں جا بجا بکھری پڑی ہیں۔

اس صدور معصیت کی علت مودودی صاحب یہ بتاتے ہیں کہ انبیاء کا بشر ہونا اوران کا خدانہ ہوناواضح ہوجائے۔ بھلاان سے کوئی پوچھے کہ کیاان کا کھانا، پینا، بازار میں چلنا پھرنا اوران کا مرنا جینا اس کے لئے کافی نہیں تھا؟ اللہ سبحانہ توان سب سے پاک ہے کیایہ بشری صفات بشریت اورعدم الوہیت کے لئے کافی دلیل نہیں ہیں؟اور کیااظہار بشریت کے لئے ضروری ہے کہ گناہ ومعصیت اورلغزش اورکوتاہی کاصدور ہواس بدفہمی کوکیا کہاجائے۔

مودودی صاحب اوراقامت حکومت

مودودی صاحب خطبات ص:۲۲۷ میں لکھتے ہیں.

اللہ تعالیٰ نے یہ عبادات روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ جوآپ پرفرض کی ہیں ان کی شان دوسرے مذہب کی عبادتوں جیسی نہیں ہے کہ بس جب انہیں آپ نے ادا کردیااور ذمہ سے فراغت ہوگئی اوراللہ راضی ہوگیانہیں بلکہ یہ عبادت ایک بڑے قصداورکاراہم کی تیاری ہے۔ پھرلکھتے لکھتے فرماتے ہیں جس کاخلاصہ وتلخیص یہ ہے کہ مقصد یہ ہے کہ آدمی آدمی کی حکومت سے نکل کراللہ کے اقتدار کے ماتحت آجائے اور جہاد اسی مقصدکوحاصل کرنے کے لئے پوری جدوجہداور جان کی قربانی دینے کانام ہےاور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ بھی اسی مقصد اصلی کی تیاری کی غرض سے ہیں۔(۱)

(۱) ہمارے پاس خطبات موجودنہیں ہے ہم نے مولانابنوری کی عربی عبارت کاترجمہ اپنے لفظوں میں کیاہے۔ مفہوم میں انشاءاللہ کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔

بحث ونظر:

فکر کا یہ انداز اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اسلام میں عبادات مقصود نہیں ہیں ان کی غرض نظام شرعی یعنی حکومتِ الٰہیہ قائم کرنا ہے۔ یہ عبادات محض غلبہ واقتدار حاصل کرنے کے لئے شروع ہوئی ہیں۔ اسلام کا اصلی مقصد یہی نظام دنیا میں برپا کرنا ہے۔ یہ نظریہ درحقیقت حقائق اسلامی اور شریعت الٰہی کی یکسر تحریف وتبدیل ہے اور صراط مستقیم سے بالکلیہ خروج۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومت اسلامی ہو یا نظام صالح یہ سب کچھ شرعی فرائض وواجبات کی ادائیگی کے وسائل ہیں غلبہ واقتدار کے حصول کے بعد انصاف قائم کرنے اور فراغت واطمینان سے عبادت ادا کرنے کا بسہولت موقع ملے گا پس حکومت محض اقامت دین اور ادائیگی عبادات کے لئے مطلوب ہے عبادت ہی درحقیقت دین کا مقصد ہے اور خلافت وحکومت اس کے حصول کا وسیلہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر ولله عاقبة الامور.

وہ لوگ جن کو اگر ہم زمین پر غلبہ دیں تو وہ نماز قائم کریں گے زکوٰۃ ادا کرینگے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرینگے اور انجام کار اللہ ہی کے لئے ہے۔

غور کرو! اللہ نے ان عبادات کو غلبہ وحکومت کا مقصود قرار دیا ہے اب مودودی صاحب کو دیکھو انہوں نے معاملہ کیسا برعکس کر دیا مقصد کو وسیلہ بنا دیا اور وسیلہ کو مقصد کی کرسی پر بٹھا دیا۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ حقائق شرعیہ میں تغیر وتبدل ہر نوع کی ضلالت اور

گمراہی کا پیش خیمہ ہے۔ اچھا جب غلبہ حاصل ہو گیا اور مقصود تک پہنچ گئے تو اب وسیلہ باقی رکھنے کا کیا نفع؟ ظاہر ہے کہ حصول مقصد کے بعد وسائل کو باقی رکھنے کا لزوم بے معنی ہے۔

مودودی صاحب نے اپنے اس مقصد کی تائید وتقویت کے لئے بہت زور لگایا ہے اور تاویل کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی ہے چنانچہ روداد میں لکھتے ہیں کہ دین کا حقیقی مقصد صالح امارت کا قیام ہے پھر تصریح کرتے ہیں کہ اس مقصد حقیقی سے غفلت وانحراف کے بعد کوئی بھی عمل رضائے خداوندی کا موجب نہیں بن سکتا دیں یہ بھی ذکر کرتے ہیں کہ اس مقصد کا حصول اجتماعی قوت پر موقوف ہے جو شخص اس میں سستی وکوتاہی کرے وہ ایک بڑے جرم کا مرتکب ہے جسے نہ توحید کا اقرار مٹا سکتا ہے اور نہ نمازوں کی پابندی، اور بھی وہ اس موضوع پر مختلف اسالیب میں ''قلم کے موتی'' بکھیرتے رہتے ہیں جس کے بعد اس بات میں ذرا بھی گنجائش نہیں رہتی کہ ان کے نزدیک دین کا مقصد اصلی یہی نظام سیاست اور امور حکومت وغیرہ ہیں اس کے بغیر نہ نماز، نہ روزہ نہ عبادت نہ توحید۔ میرے علم میں اس گمراہ کن نظریہ پر سب سے پہلے جناب مولانا عبدالماجد دریابادی کو تنبہ ہوا اور انہوں نے اپنے مشہور رسالہ ''صدق جدید'' میں اس پر گرفت کی۔

مودودی صاحب کے افکار ونظریات کے متعلق لوگوں کی آنکھیں کھولنے اور بصیرت پیدا کرنے کیلئے جماعت کے یہ بنیادی اصول بہت کافی ہیں لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے حبک الشئ یعمی ویصم محبت اندھا بہرا بنا دیتی ہے۔ فانها لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور ۔آنکھیں نہیں

اندھی ہوتیں بلکہ سینوں کے اندر دل ہی اندھے ہو جاتے ہیں۔سچ فرمایا اللہ نے۔ مودودی صاحب عبادات کے مسئلے میں جو دین کی بنیاد واساس ہیں سخت تفریط کے شکار ہوئے اور اقامت حکومت کے متعلق انتہائی افراط میں جاپڑے پھر بتاؤ کیا اسی کو تجدید دین واحیائے دین کہتے ہیں؟ یہ دین کی تجدید ہے یا انہدام،احیاء ہے یااماتت، رحم اللہ علی من انصف ولم یتعسف۔

مودودی صاحب اور دین وہدیٰ

(۵) مودودی صاحب اپنی سیاسی کشمکش جلد سوم ص ۹۳ پر اللہ تعالیٰ کے ارشاد

ھوالذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولوکرہ المشرکون

اللہ ہی نے اپنے رسول کو "ہدیٰ" اور دین حق دیکر بھیجا تاکہ اسے ہر دین پر غالب کردے اگرچہ مشرکوں کو برا لگے۔

کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس آیت میں الہدیٰ سے مراد دنیا میں زندگی بسر کرنے کا صحیح طریقہ ہے۔انفرادی برتاؤ، خاندانی نظام،سوسائٹی کی ترکیب،معاشی معاملات ملکی انتظام،سیاسی حکمت عملی، بین الاقوامی تعلقات غرض زندگی کے تمام پہلوؤں میں انسانی زندگی کیلئے صحیح رویہ کیا ہونا چاہئے یہ چیز اللہ نے اپنے رسول و بتا کر بھیجا ہے۔

چند سطور کے بعد لکھتے ہیں کہ:

" دراصل دین کا لفظ قریب قریب وہی معنی رکھتا ہے جو زمانہ حال میں اسٹیٹ کے معنی ہیں۔لوگوں کا کسی بالاتر اقتدار کو تسلیم کر کے اس کی اطاعت کرنا، یہ اسٹیٹ ہے یہی دین کا مفہوم بھی ہے اور دین یہ ہے کہ انسان دوسرے انسانوں کی، خود اپنے نفس کی اور تمام مخلوقات کی بندگی اور اطاعت چھوڑ کر صرف اللہ کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرے اور اسی کی بندگی اور اطاعت کرے پس درحقیقت اللہ کا رسول اپنے بھیجنے والے کی طرف سے ایک ایسے اسٹیٹ کا نظام لے کر آیا ہے جس میں نہ تو انسان کی خود اختیاری کیلئے کوئی جگہ ہے نہ انسان کو انسان پر حاکمیت کیلئے کوئی مقام۔ بلکہ حاکمیت اور اقتدار اعلیٰ جو کچھ بھی ہے صرف اللہ کیلئے ہے۔

بحث ونظر:

جسے دین کی تھوڑی بہت بھی واقفیت ہوگی اسے خوب معلوم ہوگا کہ دین مجموعہ ہے مذہبی عقائد، شرعی عبادات، تکلیفی احکام اور پسندیدہ اخلاق کا۔دین کا لفظ انہیں عقائد وعبادات اور اعمال واخلاق کی مختصر تعبیر ہے۔قرآن کریم میں اسی کی تصریح اللہ نے اور احادیث میں جناب نبی کریم ﷺ نے کی ہے۔آیت **ان الدین عند اللہ الاسلام** اور **رضیت لکم الاسلام دینا** میں اسی کی جانب اشارہ ہے۔پس دینِ اسلام جامع ہے تمام عقائد، عبادات، احکام، اخلاق شخصی واجتماعی اور ملکی مسائل ومعاملات کا جن امور کا تعلق ملکی یا اجتماعی یا بین الاقوامی مسائل سے ہوگا وہ شرعی سیاست کے تحت آئینگے۔اس لحاظ سے یہ دین کے اجزا ہیں نہ کہ کل دین۔دین کی تفسیر حکومت، سلطنت اور اسٹیٹ سے کرنی بدترین قسم کی بدعت وضلالت، طریق حق اور صراط مستقیم سے خروج وانحراف ہے جس سے نہ دین راضی ہے نہ ارباب دین۔

پیشتر ہم لکھ چکے ہیں کہ موصوف کا یہ دعویٰ کہ اللہ، رب، دین، اور عبادت کا مفہوم عرصہ تک سمجھا ہی نہیں گیا۔ یہ درحقیقت انہیں تحریفات...... (جو کہ دینی روح سے بہت دور ہیں)...... کی تمہید اور مقدمہ ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ انہیں اپنی ان خرافات پر فخر و ناز بھی ہے۔ وھم یحسبون انھم یحسنون صنعاً۔

اب آپ ہی بتائیں کہ! نئی نسل کے سامنے یہی کتابیں اور تحریریں ہوں گی تو وہ دین کو کیا سمجھے گی؟ اس طرح کی چیزیں تو اسے عبادات وطاعت سے منحرف کر کے محض سیاسی اور دنیوی حکومت کے قیام پر برانگیختہ کردینگی۔ البتہ عام لوگ حکومت صالحہ کے مقدس لبادہ کی وجہ سے شاید فریب کھا جائیں انصاف کرو! حرام و منکر سے اجتناب اور تقویٰ کے بغیر اصلاح کیسی؟ پھر ان بھاری بھر کم الفاظ ''اقامت دین، تجدید دین'' اصلاح امت'' اقامت معروف و ترک منکر'' وغیرہ کا کیا فائدہ؟ کچھ نہیں محض الفاظ و عبارات ہیں جن کے پیچھے کوئی حقیقت نہیں۔ ان چیزوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شخص زبردست سیاسی آدمی ہے جن کی تمام تر کوشش یہ ہے کہ زمام حکومت اس کے ہاتھوں آجائے۔ لیکن پاکستان جیسے ملک میں جہاں کے عام باشندے...... ابھی خیر سے...... دینی جذبات میں پختہ اور متصلب ہیں...... قیادت کی بنیادیں بغیر دینی ستونوں کے مضبوط نہیں ہوسکتیں۔ فرض کیجئے ان کی نیت بخیر ہے، ان کی تمام تر کوشش اصلاح ہی کی ہے اور وہ اپنے ارادہ میں مخلص ہیں تاہم چونکہ ارباب تقویٰ و دیانت اور اصحاب علم و فضل سے استفادہ نہیں کیا ہے اور علوم نبوت کی باقاعدہ تحصیل و تکمیل سے محروم ہیں اس لئے کج فکری اور گمراہی کی تاریک وادیوں میں بھٹک گئے پھر نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہئے کہ ان کی تحریک اور اصولوں پر پروان چڑھی ہوئی ان کی جماعت الحاد و زندقہ کا دروازہ

بن گئی۔ ممکن ہے مودودی صاحب ان ہلاکت خیزیوں سے محفوظ رہ جائیں لیکن ان کے مقلد و پیرو جو ان کی کتابوں اور مضامین کے دلدادہ ہیں ناممکن ہے کہ ان مفاسد سے بچ جائیں کیونکہ انہوں نے راستہ ہی ایسا بنایا ہے جو گمراہی پر تمام ہوتا ہے اور جہنم تک لے جاتا ہے۔ العیاذ باللہ۔

حرم محترم کے باشندے اور مودودی صاحب

مودودی صاحب ترجمان القرآن دیکھا جائے جلد: ۲۸ ص: ۱۷۰ مطبوعہ ۱۳۶۵ھ میں لکھتے ہیں کہ:

"وہ سرزمین جہاں سے کبھی اسلام کا نور تمام عالم میں پھیلا تھا۔ آج اسی جاہلیت کے قریب پہنچ گئی ہے جس میں اسلام سے پہلے مبتلا تھی۔ اب نہ وہاں اسلام کا علم ہے نہ اسلامی اخلاق ہیں نہ اسلامی زندگی۔ لوگ دور دور سے بڑی عقیدتیں لئے حرم پاک کا سفر کرتے ہیں مگر اس علاقہ میں پہنچ کر جب ہر طرف ان کو جہالت، گندگی، طمع، بے حیائی، دنیا پرستی، بداخلاقی، بدانتظامی اور باشندوں کی ہر طرح گری ہوئی حالت نظر آتی ہے تو ان کی توقع کا سارا طلسم پاش پاش ہو کر رہ جاتا ہے۔ حتی کہ بہت سے لوگ حج کر کے اپنا ایمان بڑھانے کے بجائے اور الٹا کچھ کھو کر آتے ہیں۔ (۱) وہی

....

(۱) یہاں تک عبارت مصنف نے ترجمان القرآن سے لی ہے اس کے بعد اخیر تک خطبات سے ماخوذ ہے۔ مولانا نے حوالہ ص: ۳۲۳ ایڈیشن ۱۹۶۲ کا دیا ہے۔ ہمارے پاس وہ ایڈیشن نہیں ہے۔ ہمارے پاس مکتبہ اسلامی دہلی کا شائع کردہ ۱۹۷۷ء کا ایڈیشن ہے۔ ہم نے وہی سے نقل کیا ہے۔ ترجمان القرآن والی عبارت بھی بعینہ اسی ترتیب کے ساتھ خطبات میں موجود ہے۔ خطبات حصہ پنجم ص: ۵۹۔ ۶۰۔

پرانی مہنت گری جو حضرت ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام کے بعد جاہلیت کے زمانے میں کعبہ پر مسلط ہوگئی تھی اور جسے رسول اللہ ﷺ نے آ کر ختم کیا تھا اب پھر تازہ ہوگئی ہے۔حرم کعبہ کے منتظم پھر اسی طرح مہنت بن کر بیٹھ گئے ہیں۔خدا کا گھر ان کے لئے جائداد بن گیا ہے۔''

چند سطروں کے بعد پھر لکھتے ہیں:

''معلم، مطوف، کلید بردار کعبہ خود حکومت حجاز سب اس تجارت میں حصہ دار ہیں۔اب کعبہ اور فریضہ حج کا حال بعینہ وہی ہوگیا ہے جو ہندوستان میں ہردوار وغیرہ میں ہندوؤں کے مذہبی تہواروں اور میلوں کا ہے وغیر ذلک من الخرافات''(۱)

....

(۱) خطبات کا جو ایڈیشن ہمارے سامنے ہے اس میں خط کشیدہ پوری عبارت موجود نہیں۔ہمیں شبہ ہوا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ لیکن خدا بھلا کرے خطبات کے ہندوستانی ناشر کا انہوں نے ہمارا تردد دور کردیا وہ خطبات حصہ اول مطبوعہ اگست ۱۹۷۸ء کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ ''یہ خطبے جس ماحول اور جس وقت میں دیئے گئے تھے ہندوستان کی حد تک ان کے زمین آسمان بدل چکے ہیں۔اس لئے آج کل کے حالات سے انہیں ہم آہنگ بنانے کے لئے ضروری ہوا کہ ان میں بعض لفظی اور جزوی ترمیمیں کردی جائیں۔تاکہ ان کی افادیت حالات زمانہ سے متاثر نہ ہونے پائے اس ترمیم کے لئے اصولاً صاحب تصنیف کی اجازت ضروری تھی سو وہ حاصل کرلی گئی اور اب یہ خطبات بعض لفظی محض لفظی ترمیموں کے ساتھ شائع کئے جارہے ہیں'' اسے پڑھ کر ہمارا خلجان رفع ہوگیا۔پاکستانی مطبوعہ ۱۹۶۲ء میں وہ عبارت یقیناً ہوگی۔مگر ہندوستانی ناشرین نے اس غرض سے کہ ''ان کی افادیت حالات زمانہ سے متاثر نہ ہونے پائے'' اس کا وجود مضر سمجھا ہوگا اس لئے حذف کردی گئی۔اب یہ تو جماعت اسلامی کے عالی دماغ مفکرین ہی سمجھ سکتے ہیں کہ مذکورہ عبارت ۱۹۳۸ء میں جب یہ خطبے دیئے گئے تھے ہندوستان کی زمین و آسمان سے کیسے ہم آہنگ تھے اور اس میں اب کیا بے آہنگی آ گئی ہے۔بہر کیف چونکہ وہ اڈیشن ہمارے سامنے نہیں ہے اس لئے ہم مولانا کا عربی ترجمہ بعینہ نقل کردیتے ہیں تاکہ کسی اللہ کے بندے یا جماعت اسلامی ہی کے کسی محقق کے پاس وہ نسخہ ہو تو دیکھ لیں کہ ترجمہ غلط ہوا ہے یا صحیح؟ فاصبحت الکعبۃ والفریضۃ الخ۔مثل مایقوم بہ المومنون۔

بحث ونظر:

یہ عبارت بالکل واضح اور دوٹوک ہے اس پر کسی نقد وتبصرہ کی ضرورت نہیں یہ باتیں ان کے قلبی بغض وعناد اور جذبہ تحقیر وتذلیل کی مظہر ہیں۔ جوان مقامات مقدسہ اور وہاں کے باشندوں نیز حرم محترم کے کارپردازوں کی طرف سے ان کے سینے میں پوشیدہ ہیں۔ ان کے خیال میں وہاں اسلامی صفات علم واخلاق اور حیاومروت کا نام ونشان نہیں ہے ان کا یہ فیصلہ اب بھی برقرار ہے جبکہ سعودی عرب تقریباً بیس سال سے ایک ایسے جلیل القدر اور متبع سنت (۱) حکمراں کے زیر فرمان ہے جو اہل علم کا بیحد قدرداں اور مشائخ کے ساتھ محبت واجلال کا معاملہ کرنے والا ہے جس نے ان علاقوں میں خیر وسعادت کی بنیادیں مستحکم کردی ہیں اگرچہ ان کے مشن کو مادی وسائل کی بہتات سے کچھ نقصان بھی پہونچتا ہے تاہم اب بھی اور ممالک کی نسبت شرور وفتن اور فساد وتخریب سے بڑی حدتک محفوظ ہے۔ بلاشبہ ہمارے یہ مقدس مقامات اسلامی نظام کی برکت سے مامون ومطمئن علاقے شمار کئے جاتے ہیں مگر مودودی صاحب کے نزدیک معلم اور ان کے ایجنٹ ایسے ہی ارباب انتظام اور خود سعودی حکومت فریضہ حج کو تجارتی ومادی اغراض کے لئے وسیلہ بنائے ہوئے ہیں ان کے خیال میں وہ جاہلیت پھر تازہ ہوگئی ہے جس کا خاتمہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔

....

(۱) مراد شاہ فیصل شہید علیہ الرحمۃ ہیں جو کتاب کی تصنیف کے وقت باحیات تھے۔

ظہور دجال اور مودودی صاحب

مودودی صاحب کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا خیال تھا کہ دجال آپ کے عہد میں خروج کریگا یا اسکے قریبی مدت میں نکلے گا لیکن اس خیال پر ساڑھے تیرہ سو برس کا عرصہ گذر گیا اور دجال ابھی تک ظاہر نہیں ہوا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کا گمان صحیح نہ تھا۔ رسائل ومسائل اول ص: ۵۷ ایڈیشن ۱۳۵۱ھ۔ پھر دوسرے ایڈیشن ۱۳۵۴ میں یہ اضافہ کیا کہ آپ کا گمان قبل از وقت تھا پھر تیسرے ایڈیشن مطبوعہ ۱۳۶۲ میں مزید یہ لکھا کہ ساڑھے تیرہ سو سال کی مدت گذر گئی اور دجال ظاہر نہیں ہوا پس یہی حقیقت ہے۔ نیز ص: ۵۵ پر ہے کہ ”دجال کے بارے میں جو روایات آپ سے منقول ہیں وہ سب آپ کا قیاس اور رائے ہے آپ اس کے متعلق تردد میں تھے کبھی آپ نے فرمایا کہ خراسان سے نکلے گا کبھی یہ کہ اصفہان سے ظاہر ہوگا اور کبھی یہ خیال ہوا کہ شام وعراق کے درمیان کسی مقام سے خروج کریگا۔ پھر کبھی یہ گمان کیا کہ ممکن ہے مدینہ کا ابن صیاد ہی ہو ایک مرتبہ فرمایا کہ جس کے بارے میں تمیم داری کی روایت ہے (یعنی صحیح مسلم میں)

بحث ونظر:

اس میں کئی چیزیں قابل غور ہیں:

(۱) اس مضمون سے صراحۃً خروج دجال کا انکار ثابت ہوتا ہے حالانکہ دجال کا ظہور ایک حقیقت ثابتہ ہے اور احادیث متواترہ اس پر دال ہیں۔

(۲) اس میں یہ بھی تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گمان دجال کے متعلق صحیح نہ تھا کیونکہ اب تک کی دراز مدت نے اسے غلط ثابت کردیا ہے۔

(۳) مسیح دجال کے خروج کا ایک قطعی عقیدہ ہے جیسا کہ مسیح ابن مریم علیہ السلام کے نزول کا بلکہ یہ تو ایسا قطعی ہے کہ تمام آسمانی مذاہب میں متوارث اور منقول ہے۔رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بخاری شریف میں متعدد جگہ منقول ہے اس میں ہے کہ:

فحمدالله واثنا عليه ثم ذكر مسيح الدجال فاطنب فى ذكره وقال: مابعث الله من نبى الا وانذرامته انذره نوح والنبيون من بعده وانه يخرج فيكم فما خفى عليكم من شانه فليس يخفى عليكم ان ربكم ليس باعور وانه اعور العين اليمنىٰ. كان عينه طانية الخ.

اللہ کی حمد وثنا بیان کرنے کے بعد آپ کچھ دیر مسیح دجال کا ذکر فرماتے رہے ارشاد فرمایا ''اللہ نے جو نبی بھی مبعوث فرمایا اس نے امت کو اس سے ضرور ڈرایا نوح علیہ السلام اور اسکے بعد سبھی انبیاء نے اپنی اپنی امتوں کو اس سے ہوشیار کیا اور یہ سمجھ لو کہ وہ تمہارے درمیان ظاہر ہوگا تو اگر تمہیں اس کے حال میں کچھ اشتباہ ہو تو کم سے کم اس میں تو کوئی اشتباہ نہیں کہ تمہارا رب کانا نہیں ہے اور وہ اپنی داہنی آنکھ سے کانا ہوگا۔وہ ایسی ہوگی جیسے پھولا ہوا انگور۔

ایک طرف یہ حیرت انگیز تواتر دیکھو جو ہر دین میں اور ہر نبی کی زبان سے منقول ومتوارث چلا آرہا ہے اور ایسا قطعی عقیدہ جو ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں سے ثابت کہ ہر ایک نے اپنی اپنی قوم کو اس سے ہوشیار کیا پھر حضرت خاتم النبیین علیہ السلام

آخر حیات تک نماز کے آخر میں "فتنۃ المسیح الدجال" سے پناہ مانگتے رہے اور اپنے اصحاب کو بھی اس کا حکم فرمایا۔ پھر منجملہ علامات قیامت کے اس کا ظہور تواتر سے ثابت ہے آخر اس سے بڑھ کر بھی اذعان ویقین کا کوئی اور مرتبہ ہے؟ اب دوسری جانب مودودی صاحب کو دیکھو کہ وہ کس دیدہ دلیری کے ساتھ ان حقائق کے موجود ہوتے ہوئے یہ کہہ کر چل دیئے کہ آپ کو دجال کے متعلق تردد تھا اور واقعہ نے ثابت کر دیا کہ آپ کا خیال صحیح نہ تھا۔

(۴) دجال کا ظہور علامات قیامت کے سلسلہ کی احادیث کے ذیل میں آتا ہے جس طرح قیامت کا آنا قطعی اور یقینی ہے اسی طرح یہ عقیدہ بھی تواتر کے باعث بالکل قطعی اور یقینی ہو گیا ہے پھر دعویٰ کہ اتنی طویل مدت گذر گئی اور ابھی تک دجال کا کچھ پتہ نہ چلا ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ قرب قیامت کی خبریں جو نصوص میں وارد ہیں تاریخ انہیں جھٹلا چکی کیونکہ ایک عرصہ گذر گیا اور قیامت ابھی تک نہیں آئی۔ اس دعویٰ اور اس قول میں آخر کیا فرق ہے؟ کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم۔

(۵) ہاں روایات میں جو کچھ اختلاف ہے وہ اس کے محل ظہور کے متعلق ہے۔ تاہم یہ اختلاف کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہے۔ روایات میں قدر مشترک "دجال کا ظہور" خواہ خراسان سے ہو یا اصفہان سے...... فی الحقیقۃ یہ دونوں ایک مقام ہیں...... پھر مختلف علاقوں میں اس کے دورے ہونگے اس لحاظ سے شام، عراق یا ان کے درمیانی علاقہ میں اس کا ظہور آپس میں متعارض نہیں ہیں۔ ایسی چیزوں میں وہی شک وتردد کر سکتا ہے جسے فن حدیث اور اس کے اسالیب کی تھوڑی سی بھی بصیرت حاصل نہ ہو۔

سعودی حکومت اور مودودی صاحب

مودودی صاحب اپنی کتاب ''تجدید واحیائے دین'' صفحہ: ۲۰ پر رقم طراز ہیں:

'' روحانی پیشواؤں اور مذہبی عہدہ داروں کا ایک طبقہ مخصوص امتیازات کے ساتھ ہوتا ہے۔شاہی خاندان اور مذہبی طبقہ مل کر ایک ملی بھگت قائم کرتے ہیں۔خاندانوں پر خاندانوں کے اور طبقوں پر طبقوں کے تفوق کا ایک مستقل نظریہ وضع کیا جاتا ہے۔

سعودی حکومت کے متعلق مودودی صاحب کا یہ کلام شرح وبیان سے بے نیاز ہے۔وہ بہت واضح انداز میں اس نظام کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں کہ حکومت وامارت کی تشکیل کا یہ طریقہ غلط ہے حالانکہ ہم تو یہی جانتے ہیں کہ حکومت اسلامی کا استحکام،علمائے دین اور ارباب سیاست کے باہمی ربط ہی میں ہے۔دینی اقتدار علمائے دین کو حاصل ہو۔مذہبی احکام میں اسوہ وقائد وہی ہوں اور نظم مملکت ان سے متعلق ہو جو اس کی قابلیت رکھتے ہوں اور یہ تو شاذونادر ہوتا ہے کہ کسی ایک فرد میں دونوں صلاحیتیں بیک وقت موجود ہوں۔ظاہر ہے کہ دونوں صلاحیتیں جب کسی میں اکٹھا نہیں ہیں تو آخر اس کے سوا کیا چارہ رہ جاتا ہے کہ تقسیم عمل کے اصول پر کاربند ہو جائے جس میں جو صلاحیت ہو اس کے مناسب کام سپرد کیا جائے اور نااہل کو کوئی منصب ہرگز نہ دیا جائے۔

حکومت کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شہر جہاں ہر نوع کے صنعت گروں اور اہل حرفہ کی ضرورت ہوتی ہے۔آہنگر،خیاط اور نجار بھی ضروری ہیں تو ایسے ہی انجینئر اور

معمار بھی ناگزیر۔ ہر شخص اپنی صلاحیت واستعداد کے مطابق کاموں کا بار اٹھاتا ہے پس کسی حکومت میں سیاسی عہدوں اور دینی مناصب کا بھی یہی حال سمجھ لو اور خلافت راشدہ تو مخصوص عبقری اشخاص وافراد کا (کمالات کی جامعیت میں) ایک نادر نمونہ ہے تاہم اس کے باوجود اس عہد میں ذوق وطبیعت اور رجحان کا اختلاف موجود تھا کسی میں سپہ سالاری اور امارت افواج کی صلاحیت تھی تو کوئی دعوت وارشاد کا اہل تھا۔ فطری بات ہے کہ کام اس کے اہل کے سپرد کیا جاتا ہے خواہ اس کا تعلق نظم حکومت سے ہو یا احکام مذہب سے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ باہم تعاون وتوافق کی راہیں کھلی ہوں۔ انتشار وتخریب اور پارٹی بندی نہ ہو مگر افسوس ہے کہ مودودی صاحب احیاء وتجدید دین کرنے اٹھے تو تفریط کی تنگ گھاٹی میں پہنچ گئے۔ انہیں سوائے ابوبکرؓ وعمرؓ کے دور خلافت کے کوئی اور عہد نظر ہی نہیں آتا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت تو خاص طور سے تنقید کا نشانہ ہے اس کے متعلق ان کا قلم ایسے زہر اگلتا ہے کہ رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور جگر شق ہونے لگتا ہے۔ اپنی کتاب ''خلافت وملوکیت'' میں سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی پر شدید حملے کر کے ان پر مظالم ڈھائے ہیں۔ یہاں مودودی صاحب ایک رافضی کا روپ دھار کر آتے ہیں جس کا مقصد ہی مذہب اسلام اور خلیفہ راشد سے انتقام لینا ہے۔ اس مسئلہ میں ان کے پیشرو سید قطب ہیں انہوں نے بھی اپنی کتاب ''العدالۃ الاجتماعیۃ'' میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر تنقیدیں کی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ اجلہ صحابہ کو برطرف کر کے رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں کو عہدوں پر فائز کرتے تھے اور انہوں نے ابوذر رضی اللہ عنہ جیسے صحابی کو شہر بدر کردیا محض اس جرم پر کہ وہ مال جمع کرنے پر نکیر کرتے تھے۔ ایک شخص نے لکھا ہے کہ

مروان نے انہیں کھلونا بنا رکھا تھا کہ کبرسنی اور شرف صحابیت کے باوجود جس طرح چاہتا تھا کھینچے کھینچے پھرتا تھا اور لکھتے ہیں کہ خلافت انہیں بعد میں حاصل ہوئی اس لئے اموی عصبیت ان کے آس پاس منڈلا رہی تھی اور بھی خرافات ہیں کہاں تک کوئی ذکر کرے جنہیں دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ یہ شخص ''شیعیت'' اور ''شیوعیت'' (کمیونزم) کا مشترکہ اڈیشن ہے۔ ملاحظہ ہو العدالۃ الاجتماعیۃ ص: ۲۱۳ طبع سادس۔

مودودی صاحب نے بھی انہیں کی تقلید کی بلکہ ان کے کلام کی شرح کر دی اور تاریخ کے انبار سے تمام رطب ویابس روایات اٹھالائے پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے امام سے بھی دو قدم آگے نکل گئے۔ سید قطب تو ایک حد تک حضرت عمر بن عبدالعزیز کے قائل ہیں مگر یہ بزرگ تو ان پر بھی نقد سے نہیں چوکے اور انہیں ناکام ونامراد بنا کر ہی چھوڑا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

خلافت وملوکیت کے رد میں علماء نے بہتر سے بہتر کتابیں تالیف کی ہیں ان میں عمدہ ترین کتاب مولانا اسحٰق صدیقی سندیلوی کی تالیف ''خلافت وملوکیت کی حقیقت'' ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ لوگ اس شخص کے دعووں سے فریب کیسے کھا سکتے ہیں۔ فقط دعوے ہی دعوے ہیں ان کی پشت پر سوائے قیادت کے بے پناہ جذبہ اور لیڈری کی نہ ختم ہونے والی خواہش کے اور کوئی حقیقت نہیں۔ لوگ ان کی کتابوں کو بغور نہیں دیکھتے اور نہ ان کے خطرناک عواقب وانجام کو محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ امت محمدیہ کو سلامت فکر کی توفیق بخشے اور گمراہی والحاد سے محفوظ رکھے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت فاروق اعظمؓ جیسی خلافت راشدہ کا تصور اس سیاہ ترین

دور میں محض جنون اور مخبوط الحواسی ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اگر کوئی حکومت ٹھیک ٹھیک اس منہاج پر نہ ہو تو وہ جاہلی حکومت ہے۔ خدارا آپ ہی انصاف کریں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جیسے کثیر المناقب صحابی کی خلافت مودودی صاحب اور سید قطب کے نزدیک علی منہاج النبوۃ قائم نہ رہ سکی اور نہ وہ حضرت عمرؓ کے طرز پر قائم رہ سکے۔ پھر جب حضرت عمر بن عبدالعزیز بھی صالح نظام برپا کرنے میں ناکام ہوگئے اور تجدید کامل کے منصب تک نہ پہونچ سکے ان کے بعد بھی جتنے بزرگوں کو مجدد سمجھا اور کہا گیا کوئی بھی تجدید کی تکمیل نہ کرسکا اور مجدد کامل کی کرسی آج تک خالی پڑی ہے۔ ہاں ابن تیمیہ نے اس طرف توجہ کی تاہم واقعہ یہ ہے کہ وہ کوئی ایسی سیاسی تحریک اٹھا نہ سکے جس سے نظام حکومت میں انقلاب برپا ہوتا اور اقتدار کی کنجیاں جاہلیت کے قبضے سے نکال کر اسلام کے ہاتھ میں آجاتیں۔

اب صدیوں کے بعد مودودی صاحب تشریف لائے ہیں جنہوں نے یہ خلا پر کیا۔ حیرت ہے جو نظام خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قائم نہ کر سکے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز سے لیکر ابن تیمیہ تک سب اس میں ناکام رہے اب اس ظلماتی عہد میں ایسی حکومت عادلہ اور خلافت راشدہ کا خواب کیسے دیکھا جا رہا ہے کہ اس معیار سے جو اترے اسے ہدف ملامت اور مورد تنقید بنالیا جائے۔ قطعی حماقت بلکہ جنون ہے۔

ہماری نظر میں سعودی حکومت ممالک عرب بلکہ اسلامی دنیا میں ایک بہترین حکومت ہے۔ وہاں دینی نظام علمائے دین سے متعلق ہے اور اس کا تمام تر انحصار علماء ومشائخ کے مشوروں پر ہے، جس دن اس کا یہ امتیاز ختم ہوجائے گا اسی دن اس کی خصوصیت بھی فنا ہوجائے گی۔ افسوس جو چیز حکومت کا جمال وکمال ہے اسی کو یہ شخص

باعث ننگ وعار سمجھتا ہے۔ فانها لاتعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور ۔ان مختصر اشارات میں ایک صاحب بصیرت کے لئے بہت کچھ کہہ دیا گیا۔ واللہ یهدی من یشآء الی صراط مستقیم۔

طلقاء صحابہ اور مودودی صاحب

(٦) مودودی صاحب ترجمان القرآن صفحہ:۳۶،۳۵، ۱۹۶۵ء ۱۹۴۹ء میں لکھتے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے طلقاء صحابہ کو حکومت وامارت کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز کیا یہ فتح مکہ کے بعد داخل اسلام ہوئے تھے۔ یہ حضرات اگرچہ انتظامی امور اور غیر دینی سیاست میں ماہر تھے تاہم خلافت کے عہدوں کے اہل نہ تھے۔ کیونکہ اس قیادت میں جس درجہ اخلاق کی ضرورت ہے وہ ان میں نہ تھا اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے حضرت نبی کریم ﷺ کی طویل صحبت نہیں پائی تھی اور ان کے نفوس کا کامل تزکیہ نہ ہوسکا تھا جسکے باعث جاہلی اثرات ان میں باقی رہ گئے تھے۔ یہ بات انہوں نے "خلافت وملوکیت" اور دوسری کتابوں میں باربار دہرائی ہے۔ ترجمان القرآن میں بھی اس پر بہت کچھ لکھا ہے حد تو یہ ہے کہ تفسیر کے نام سے جو کتاب تفہیم القرآن لکھی ہے اس میں بھی غزوہ احد کی تفصیل لکھتے ہوئے مہاجرین اولین اور انصار کو نقد وتبصرہ کے زد میں لے لیا ہے۔

بحث ونظر:

"طلقاء" سے مودودی صاحب ان صحابہ کوتعبیر کرتے ہیں جو فتح مکہ کے بعد حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ حضرت معاویہ، ولید بن عقبہ، عبداللہ بن سعد بن ابی سرج، سعید بن عاص، عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنھم وغیرہ صحابہ کو اسی ذیل میں شمار کرتے ہیں۔ حالانکہ حضرت معاویہؓ تو اپنے باپ سے چھپ کے صلح حدیبیہ کے زمانے میں ہی مسلمان ہو چکے تھے۔ ہم اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتے کہ یہ صحابہ کس درجہ کثیر المناقب ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں اکثر حضرات کو کن کن مناصب جلیلہ پر فائز کیا تھا اسلامی فتوحات میں ان کے کارنامے کتنے عظیم الشان رہے ہیں اور یہ کہ ان کا اسلام کس درجہ بہتر ہو گیا تھا اور یہ حضرات زمرۂ مخلصین میں شمار ہوتے تھے۔ یہ سب نظر انداز کر دیجئے صرف یہ دیکھئے کہ انہیں حضور ﷺ کی مبارک زندگی میں ایمان لانے کا شرف حاصل ہوا آپ کی مبارک صحبت کا اعزاز ملا۔ طائف وحنین وغیرہ میں رہ کر آپ کے ساتھ جہاد کیا اور آپ نے بنفس نفیس انہیں مختلف خدمتوں پر سرفراز فرمایا کیا ان سب کے بعد ان حضرات کے تقدس اور دینی واخلاقی کمالات میں ہلکے سے ہلکا شبہ بھی باقی رہ سکتا ہے۔ لیکن مودودی صاحب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر بے محابا تنقید کرتے ہیں کہ انہوں نے ان طلقاء صحابہ کو بڑے بڑے عہدے سونپے جب کہ وہ دین وتقویٰ کے لحاظ سے اس کے اہل نہ تھے اگرچہ غیر دینی سیاست میں مہارت کی وجہ سے امور سلطنت سے عہدہ برآ ہو سکتے تھے غور کرو مودودی صاحب کس بے تکلفی کے ساتھ دور خلافت راشدہ میں دین وسیاست کی تفریق کر رہے ہیں بلاشبہ مودودی صاحب نے ان خرافات سے اللہ ورسول کو ایذا پہونچائی ہے ان کی نگاہ ان

فضائل ومناقب پر بالکل نہیں گئی جن سے قرآنی آیات اور حدیثی ارشادات بھرے پڑے ہیں انہوں نے حضورﷺ کا ارشاد نہیں سنا؟

اللہ اللہ فی اصحابی لاتتخذوھم من بعدی غرضاً. من احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم.

میرے اصحاب کے بارے میں اللہ سے ڈرو میرے بعد ان کو نشانہ نہ بنالینا جو شخص ان سے محبت رکھے گا اس کا تعلق میری محبت کا سبب ہوگا اور جو ان سے بغض رکھے گا اس کی عداوت میرے بغض کا باعث ہوگی۔

اس کے علاوہ بھی کتب حدیث کا ذخیرہ حضرات صحابہ کی فضیلت ومنقبت سے لبریز ہے اور خود قرآن عزیز میں جتنا کچھ ہے وہی کافی وشافی ہے۔

(واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل)

دستور جماعت اسلامی اور مودودی صاحب

(۱۰) دستور جماعت اسلامی......(یعنی وہ بنیادی اصول وضابطے جن پر جماعت اسلامی کا مدار ہے)......میں کہا گیا ہے:

"رسول کے علاوہ کسی انسان کو معیار حق نہ بنائے (یعنی ان کے علاوہ کسی سے حق کا عرفان نہیں ہوسکتا) کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے۔ کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو۔ ہر ایک کو خدا کے بنائے ہوئے اسی معیار کامل پر جانچے اور پرکھے اور جو اس معیار کے لحاظ سے جس درجہ میں ہو اس کو اسی درجہ میں رکھے۔"

بظاہر یہ اصول بے غبار محسوس ہوتا ہے لیکن جب ہم بغور اس کا جائزہ لیتے ہیں تحلیل وتجزیہ کرتے ہیں اور ان کے قلم سے نکلے ہوئے افکار ومباحث پر اسے منطبق

کرتے ہیں نیز فکری ونظریاتی راہوں سے اس کے جو نتائج ظاہر ہوئے ہیں ان پر غور کرتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ یہ بنیادی اصول کس قدر خطرناک اور بدعت والحاد کا کتنا بڑا سرچشمہ ہے۔ امت محمدیہ اپنے دور اول سے یہ جانتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنھما کے اتباع وتقلید کی ہدایت کی ہے اپنی سنت اور خلفائے راشدین کی سنت پر چلنے بلکہ اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑنے کا حکم دیا ہے۔ ان پر نقد وتبصرہ کرنے اور انہیں ہدف ملامت بنانے اوران کا ردوانکار کرنے سے تحذیر کی ہے اور بھی بہت کچھ ان کے مناقب ومفاخراوران کی پیروی کے باب میں احکام منقول ہیں۔ معلوم ہے کہ صحابہ سے بڑھ کرامت میں صالح قلب اور گہرے علم کے حامل نہیں پیدا ہوئے لیکن مودودی صاحب نے صرف حضرات صحابہؓ ہی پر تنقید کافی نہیں سمجھی بلکہ ان کے کلام کا دائرہ مزید وسعت اختیار کرتا ہوا انبیاء سابقین تک کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ حالانکہ ہمیں تو ان پر ایمان رکھنے کا حکم ہے۔ انبیاء قطعی معصوم ہیں ان پر زبانِ تنقید دراز کرنا کسی طرح روا نہیں ہے۔ ہم مودودی صاحب کو دیکھتے ہیں کہ وہ انبیاء کے دامن عصمت سے بھی کھینچنے سے باز نہیں آتے۔

حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام، میں سے کون اس تنقیدی پنجہ وناخن سے بچا ہے۔ پھر یہیں تک بس نہیں ہے انہوں نے بالآخر حضور ﷺ پر غلطی ولغزش کی تہمت رکھ دی کہ آپ کی رائے کو اتنی صدیوں کی تاریخ جھٹلا چکی اور ہر نبی کے لئے ضروری ہے کہ غلطی میں پڑے بلکہ معصیت وگناہ کا مرتکب ہو۔ وغیر ذلک من الخرافات۔

پھر جب اصحاب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جیسا مقدس بزرگ ان کی

تیزی قلم سے نہ بچ سکا باقی صحابہ پر بھی انہوں نے حُبّ دنیا، حرص وطمع اور بخل وحسد کے الزامات قائم کر کے ان کی آبرو کا خون کیا، تو بیچارے تابعین اور سلف صالحین کو کون پوچھے اب خود سمجھ لو کہ دستور اساسی کا یہ بنیادی اصول خطرے کی کس ڈگری میں ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے اصحاب آپ کے دین کے حامل اور طبقہ بعد طبقہ اس کو پہونچانے والے ہیں اور دین کے امین ہیں۔ اپنے نبی کی صحبت کے واسطے اللہ نے انہیں منتخب فرمایا تھا، اگر انہیں کو مجروح کر دیا جائے نقد و تبصرہ کا نشانہ بنایا جائے انہیں کے دامن آبرو کے ساتھ کھیلا جائے اور ان کے سب وشتم میں زبان ملوث کی جائے تو خدارا آپ ہی بتائیں کہ ہم اس دین پر کیسے اطمینان کرلیں جب کہ اسکے حامل یہی لوگ ہیں۔ پھر یہ دین ہم کس سے حاصل کریں کیا یہ اللہ تعالیٰ کی کھلی تکذیب نہیں ہے اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتے ہیں: یبتغون فضلا من اللہ ورضواناً سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود۔ اور فرماتے ہیں: اولئک ھم الصّٰدقون اور ارشاد ہے: اولئک ھم المفلحون اور اعدّ لھم جنّٰت تجری من تحتھا الانھٰر خٰلدین فیھا ابداً اور رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ وغیرہ۔

میں پوچھتا ہوں کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ کو مودودی صاحب زیادہ جانتے ہیں یا اللہ سبحانہ تعالیٰ جو لطیف وخبیر ہے اور کیا صحابہ کے احوال سے مودودی صاحب زیادہ واقف ہیں یا رسول اللہ ﷺ ان کے متعلق زیادہ باخبر ہیں پھر اگر صحابہ ہی معیار حق نہ ہونگے تو کون ہوگا؟

خلاصہ یہ کہ دستور کے یہ کلمات نقد وتبصرہ کا دائرہ اتنا وسیع کر دیتے ہیں کہ پھر کسی کی آبرو بچ نہیں سکتی اس کی زد میں انبیاء اور صحابہ کرام سبھی آتے ہیں۔ تفہیم

القرآن، تنقیحات، تفہیمات اور ان کی دوسری تالیف نیز ترجمان القرآن مقالات ومضامین میں نقد وتبصرہ اور تنقید وتحقیر کا عنصر ہر جگہ محسوس ہوتا ہے البتہ بیشتر اوقات بہت خفیہ طریقے سے ان چیزوں کی آمیزش کرتے ہیں کہیں کہیں تو اس زہر پر شہد وشکر کا ایسا خول چڑھاتے ہیں کہ ہر شخص بآسانی حلق سے اتار لے اور اسے تلخی محسوس نہ ہو۔ یہ دستور اساس ان کے قلوب کے راز سربند کا آئینہ دار اور ان کی تحریک کی نقاب کشائی کرنے والا ہے اسی بنیاد پر وہ اپنی عمارت کھڑی کرتے ہیں اگرچہ مواخذہ وانتقاد کے بعد اس میں بہت کچھ تبدیلی کی گئی ہے اور۔ پے در پے تغیرات ہوئے ہیں تاہم اب بھی اس صورت میں ہے جو تم دیکھ رہے ہو۔

یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نفوس کی علمی وعملی تربیت واصلاح اور تعلیم وارشاد ہی کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ آپ کی تربیت سے بہرہ ور ہوکر یہ حضرات رشد وہدایت کے روشن مینار اور زمین کے جگمگاتے تارے بنے جن کی نورانیت آسمان کے تاروں سے فزوں تر تھی خود اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی اس بات پر تعریف وتوصیف کی کہ آپ دعوت وتبلیغ میں کامیاب ہوئے۔ آپ نے حجت قائم کردی، راستہ واضح کردیا۔ امانت ادا کردی، حق رسالت پورا ادا کردیا۔ اس طرح اللہ نے اس دین کی تکمیل فرمائی اور امت پر احسان مکمل کردیا۔ جب یہی حضرات تنقید ومواخذہ کی زد میں آئیں گے اور ان میں جاہلیت کے اثرات باقی رہ جائیں گے اور نقص وتقصیر کی تہمت ان پر رکھی جائے گی تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہی کی۔ العیاذ باللہ اور نبوت کا حق کما حقہ ادا نہیں کیا۔ جب کہ آپ افضل الانبیا والرسل ہیں۔ پھر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ ہی سے۔ نعوذ باللہ۔ اختیار وانتخاب میں کوتاہی ہوئی۔ منصب نبوت اس کے اہل کو نہ ملا

پس اللہ بھی قصور وار اور رسول بھی قصور وار اس کے بعد صحابہ کس شمار وقطار میں ہیں۔غور کرواس کی قباحت وشناعت کا سلسلہ کہاں تک دراز ہوتا ہے یہ شیعوں کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابہ...... باستثناء تین یا پانچ یا سات کے......سب مرتد ہو گئے۔پھر جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ صحابہ کی منقبت، ان سے اللہ کی خوشنودی اور ان کے بلند درجات کا ذکر تو قرآن میں صراحۃً موجود ہے تو نہایت بیحیائی اور ڈھٹائی سے کہدیتے ہیں کہ اس وقت اللہ کو یہ بات معلوم نہ تھی اس لئے انہیں یہودیوں کے ''بدا'' جیسا مہمل عقیدہ گڑھنا پڑا۔

اس انجام کے بعد کوئی بتائے کہ اس دستور سے اسلام کا کیا حشر ہوگا؟ کیا وہ باقی رہ سکتا ہے پھر اس کے ساتھ یہ بھی ملحوظ رہے کہ امت نے ابتدا سے اب تک الٰہ، رب، عبادت اور دین کا معنیٰ نہیں سمجھا۔اب مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن فہمی کے لئے صرف لغت اور عقل کافی ہے۔خواہ وہ دو تولہ ہی ہو۔ایک مفسر کے لئے ذخیرۂ تفسیر کی حاجت نہیں اور احادیث ہمارے جیسے آدمیوں کے واسطے سے راوی درراوی ہوتی آئی ہے ان میں راویوں کے اختلاف طبائع، ذوقی رجحان، اور ذاتی جذبات وخواہشات نے خوب خوب رنگ دکھلایا ہے وہ محدثین کی جرح وتعدیل سے بھی مطمئن نہیں ہیں ان کے نزدیک صحیح بخاری میں بھی جو امت کے نزدیک اصح کتب بعد کتاب اللہ ہے......ساقط الاعتبار روایات شامل ہیں وہ آسمانوں کے وجود کا بھی......جیسا کہ اہل اسلام سمجھتے ہیں اور احادیث میں جسکی تصریح ہے......انکار کرتے ہیں ان کے نزدیک یہود کے سروں پر طور کا اٹھانا بھی قابل تسلیم نہیں، حور وقاصر الطرف خلاف دفعہ ہیں۔ان کے خیال میں کفار کی لڑکیاں اور مسلمانوں کی لڑکیاں جو دخول جنت کے مستحق نہ ہو سکے حور عین بنادی جائینگی وہ اہل جنت کی خادمائیں ہونگی۔نیز رسول اللہ ﷺ کی

قوت جسمانی جو حضرت انسؓ کی روایت سے صحیح بخاری میں منقول ہے وہ بھی غلط ہے اور کیا کیا بتایا جائے۔ یہ شخص تو اپنی عقل کے بل بوتے پر..... (جو شاید چودھویں صدی میں پیدا ہونے کی وجہ سے ذاتی جذبات وخواہشات سے پاک ذوقی رجحان سے بالکل پاک ہے مترجم) اور احادیث کا بے دھڑک انکار کرتا چلا جاتا ہے۔

اس سے سراغ ملتا ہے کہ انہوں نے دستور کے قواعد وضوابط اسی لئے وضع کئے ہیں تا کہ نا قابل تحمل چیزیں گوارہ اور تند تلخ گھونٹ بآسانی مسلمانوں کے گلے میں اتار دینے کے قابل بنا سکیں اور غالباً اسی لئے انہوں نے دین اسلام کو اس طرح پیش کیا ہے جیسے وہ کوئی آسمانی مذہب نہ ہو بلکہ ایک سیاسی تحریک یا پارٹی ہو، جس طرح مختلف افراد ایک تحریک، ایک پارٹی یا ایک جماعت لیکر اٹھتے ہیں اجتماعات ہوتے ہیں کانفرنسیں ہوتی ہیں، مشورے بازی ہوتی ہیں، کمیٹی تشکیل پاتی ہیں اور تحریک آگے بڑھنے لگتی ہے، کچھ اسی طرح کے نقشے پر آنحضرت ﷺ نے بھی اسلام کی تحریک چلائی اور عروج وارتقا کے پروگرام بنائے یہ ہے وہ اسلام جس کی جانب مودودی صاحب اپنے دستور وضابطہ میں دعوت دیتے ہیں۔ اسی کی روشنی میں ان کا لٹریچر تیار کیا گیا ہے۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ یہ دستور بیحد خطرناک ہے اس کے نتائج حد درجہ بھیانک ہیں، آدمی دین اور اسلام کا نام لیتے ہوئے بھی اس سے نکل جاتا ہے۔ پھر ان کے نزدیک یہ بھی حقیقت ثابتہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ دین اسلام کو لانے والے نہیں ہیں۔ ہر دین اسلام ہی ہے آپ نے فقط اس کی تجدید واحیا کا کام کیا ہے۔ پھر تو آدمی خواہ کوئی دین مانے نجات کے لئے کافی ہے۔ دین محمدی کی اسے ضرورت نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ ایک صاحب بصیرت کیلئے اتنے ارشادات کافی ہیں۔ واقعہ یہی ہے کہ مودودی صاحب کے

اس بحرِ ذخار کے یہ چند قطرے ہی ہیں جو ان کی کتابوں اور مقالات میں ٹھاٹیں مار رہا ہے اسی لئے میں نے کہا تھا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم ان کے اقوال واحوال کا پوری دیانتداری کے ساتھ بے لاگ جائزہ لے کر ان پر اتمام حجت کر دیں۔

اس مقدمہ کے اخیر میں مناسب ہے کہ اکابر علماء ومشائخ کی وہ قرارداد بھی ذکر کر دیں جو مودودی صاحب اور ان کی جماعت و دستور کے متعلق ۲۷ شوال مطابق یکم اگست ۱۹۵۱ء ۱۳۷۰ھ کو دفتر جمعیۃ علماء دہلی میں علماء کے اتفاق سے منظور ہوئی تھی۔ اس میں وقت کے چوٹی کے تقریباً سبھی اکابر شامل تھے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا عبداللطیف صاحب محدث ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، برکت عصر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی، سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ العلماء ہند، حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور وغیرہ۔ یہ حضرات علم وتفقہ اور دین میں دیانت میں ہمارے ملک کے مسلم ومعروف اعیان واکابر ہیں اور فی زمانہ فتویٰ کا مدار انہیں اکابر پر ہے۔

اذا قالت حذام فصدقوها   فان القول ما قالت حذام

....

(۱) ان میں سوائے حضرت حکیم الاسلام اور حضرت شیخ الحدیث کے سب انتقال فرما چکے ہیں رحمہم اللہ۔ اب یہ حضرات بھی انتقال فرما چکے ہیں۔

قرارداد (۱)

"مودودی صاحب اوران کی جماعت کے لٹریچر کا مطالعہ لوگوں میں ائمہ دین کی پیروی سے آزادی کا رجحان پیدا کرتا ہے اس کے بعدان سے ربط وتعلق باقی نہیں رہتا یہ چیز ایسی ہے جس میں عوام کی ہلاکت اور گمراہی یقینی ہے اور صحابہ وسلف صالحین سے مسلمانوں کے تعلق میں نقصان کا باعث ہے ان کی بہت سی تحقیقات ونظریات ایسی ہیں کہ اگر انہیں قبول کرلیا جائے تو دین میں ایک نئی فقہ بلکہ الحاد وبدعت کا دروازہ کھل جائیگا اس میں دین کا بیحد نقصان ہے اس لئے ہم بہت صراحت کے ساتھ کہتے ہیں کہ جو بھی تحریک ایسی چیزوں پر مشتمل ہوگی وہ غلط اور مسلمانوں کے لئے مضر ہے ہم اس جماعت اوراس تحریک سے برأت کا اعلان کرتے ہیں۔

اس قرارداد کا اسلوب بہت نرم ہے ان پر کوئی سخت گیری نہیں کی گئی اور اخبارات میں اعلان کردیا گیا تاکہ لوگ ادھر مائل ہونے سے پرہیز کریں۔یہ قرارداد ۲۶ برس (۲) پہلے کی ہے جبکہ مودودی صاحب کا ابھی آغاز تھا۔صحابہ وتابعین پران کی شدت تنقید ظاہر نہیں ہوئی تھی اس وقت ان کے قلم سے وہ باتیں نہیں نکلی تھیں جن کا ذکر ہم نے کیا نہ ان کی تفسیر آئی تھی نہ تجدید دین اور خلافت وملوکیت جن میں یہ سب لاف وگزاف بھرے ہوئے ہیں۔اگر یہ حضرات وہ دیکھتے جو ہم آج دیکھ رہے ہیں تو مودودی صاحب اوران کی جماعت کے بارے میں ان کا فیصلہ اور سخت ہوتا تاہم ان اکابر نے نور بصیرت سے ان خطروں کو تاڑ لیا تھا اور قوم کو ان سے اجتناب کرنے کی تلقین کر گئے

(۱) اصل قرارداد ہمارے سامنے نہیں ہم مولانا کی عربی عبارت کا ترجمہ کر رہے ہیں۔

(۲) اوراب تو ۲۸ برس ہوئے۔

جیسا کہ صالحین کا دستور ہے۔

ان میں معدودے چند کے علاوہ باقی سب حضرات جوار رحمت میں پہونچ چکے ہیں اس قرارداد میں ہندوپاک کے اور بھی اکابر کے دستخط ہیں جنہیں نقل کرنے کی حاجت نہیں یہ امت کا اتفاقی مسئلہ ہے اس میں کسی قابل ذکر عالم کا اختلاف نہیں......فی طلعة الشمس مایغنیک عن زهل۔طلوع شمس کے بعد زہل کی ضرورت ختم ہو جاتی ہے۔

اس قرار داد سے چند ماہ پیشتر دارالعلوم کے دارالافتاء کی جانب سے وہاں کے صدر مفتی مولانا سید مہدی حسن صاحب رحمہ اللہ نے مودودی صاحب اور جماعت اسلامی کے بارے میں ایک فتویٰ صادر فرمایا تھا جو حسب ذیل ہے۔(۱)

مسلمانوں پر لازم ہے کہ جماعت اسلامی سے پرہیز کریں اس میں شرکت زہر قاتل ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ لوگوں کو اس میں شرکت سے باز رکھیں تا کہ گمراہی میں نہ پڑ جائیں۔جماعت اسلامی کا ضرر اس کے نفع سے بڑھ کر ہے۔اس میں حصہ لینا شرعاً درست نہیں جو کوئی نشرواشاعت وغیرہ کے ذریعے ان کی تائید واعانت کرے وہ گنہگار ہے اور بجائے اس کے کہ ثواب کا مستحق ہو معصیت اور گناہ کا داعی بنے گا اور اگر جماعت اسلامی کا آدمی کسی مسجد میں امام ہو تو اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی۔

سید مہدی حسن	الجواب صحیح
رئیس دارالافتاء دیوبند	مسعود احمد نائب رئیس دارالافتاء
۲۳ جمادی الاخری ۱۳۷۰ھ	

---

(۱) اصل فتویٰ ہمارے سامنے نہیں ہم مولانا کی عبارت کا ترجمہ کر رہے ہیں

مفتی مہدی صاحب دارالعلوم دیو بند کے صدر مفتی تھے۔ ابھی تھوڑے عرصہ قبل ۹۶ برس کی عمر میں فوت ہوئے ہیں۔ اپنے وقت کے محدث کبیر اور بزرگ فقیہ، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی "کتاب الآثار" کی شرح" قلائد الازهار" کے نام سے کئی جلدوں میں لکھی۔ ابن حزم کی "محلی" کارد "السیف المجلی فی الرد علی المحلی" کے نام سے تحریر کیا اور بھی ان کی عمدہ تالیفات ہیں۔

پہلے حصہ میں مودودی صاحب اور جماعت اسلامی پر گفتگو یہیں ختم کرتے ہیں اللہ ان سب کو ہدایت دے انشاء اللہ تھوڑے وقفہ کے بعد اس موضوع پر ہم پھر لکھیں گے یہ تو ابھی آغاز ہے۔

اذا كنت في المدارک غرا ثم ابصرت ماذقا فلا تمار

اگر تمہیں کسی چیز سے واقفیت نہ ہوا اور تمہیں کوئی ماہر مل جائے تو اس سے بحث وجدال نہ کرو۔

واذا لم تر الهلال فسلم لاناس راوه بالابصار

جب تم نے نیا چاند نہیں دیکھا تو معاملہ دیکھنے والے کے سپرد کرو۔

هذا والله ولي التوفيق والهداية وهو حسبنا ونعم الوكيل

ولاحول ولاقوة الا بالله العلي العظيم.

۱۳ المحرم الحرام ۱۳۹۹ھ

یوم الجمعۃ المبارکۃ

مدرسہ وصیۃ العلوم الہ آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله القوى القادر المنتقم الغافر، الاول والأخر، الباطن والظاهر، واشهد ان لااله الاالله من يستحق المحامد والمجد الباهر واشهد ان سيدنامحمد المبعوث باعلى المفاخر واسنى المآثر. فاللّٰهم صل وسلم وبارک عليه وعلى آله وصحبه اولى المعالى والفضل السائر وعلى من اهتدى يهديهم الطاهر ومن ذب عن الدين بالالسنة والاقلام والمحابر على رؤوس الاشهاد وعلى المنائر والمنابر عاانهل كل صوب مالحروما تحلق فى جو السماء كل طائر. امابعد:

تمہید:

پچھلے دنوں میں نے ایک مختصر رسالہ عام اہل عرب کی خدمت میں بالعموم اور حضرات علماء کی خدمت میں بالخصوص (بطور خاص) پیش کیا تھا۔ مقصد یہ تھا جو حضرات دین کی قدر و قیمت جانتے ہیں اور حق و صداقت کی وقعت و اہمیت سمجھتے ہیں وہ ایک ایسے رجل (شخص) کے بارے میں غور و فکر کر کے رائے قائم کریں۔ جس کے باب میں عوام تو عوام خواص تک غلو کا شکار ہو گئے ہیں۔ حالانکہ وہ شخص ایسا ہے کہ صراط مستقیم سے منحرف ہو کر الحاد کے قریب پہنچ گیا ہے اور اس کی وجہ سے عالم اسلام کے اکابر تک

فکر ونظر کی غلطیوں میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ان کی نگاہیں اس شخص کی گمراہی کج فکری اور جہل والحاد تک نہ پہنچ سکیں جو جابجا اس کی کتابوں اور مضامین میں موجود ہیں۔یہ چیز ایک بڑے فتنہ کا دروازہ بن گئی ہے اور عوام کی ایک بڑی جماعت جس کا تعلق دین اور علم دین سے بس نام کا تھا......فریب میں مبتلا ہو گئی۔

میں نے رسالہ کی تالیف اور حقیقت کا انکشاف بہت استخاروں کے بعد کیا ہے، اس موضوع پر قلم اٹھانے سے عرصہ تک طبیعت میں رکاوٹ رہی، کیونکہ بہر حال اس شخص سے کسی درجہ میں جدید نسل کو......جو دینی لحاظ سے بہت دور اور خطرناک کنارے پر پہنچ چکی ہے......کچھ فوائد پہنچ رہے تھے۔کبھی کبھی بعض مخلصین بھی اس کام سے باز رکھتے تھے۔کہ حالات ابھی مناسب نہیں ہیں۔اس کام کے لئے بہت سے علماء اور خطیب تیار ہو چکے ہیں جنہیں زبان وبیان کی قوت وشوکت حاصل ہے وہ علی الاعلان مودودی صاحب کے فکر ونظر کی کجی کو بیان کرتے رہتے ہیں۔انہیں وجوہ سے میں تیس سال تک پس وپیش میں رہا، اور نقد واحتساب کی جانب قدم اٹھانے سے ہچکچاتا رہا، یہاں تک کہ اب دنیا سے کوچ کا وقت قریب آ چکا اور بقول عربی شاعر کے معاملہ کچھ ایسا ہے کہ:

قرب الرحیل الی دیار الاخرہ فاجعل الٰھی خیر عمری آخرہ

دار آخرت کی جانب کوچ کا وقت قریب ہے اے اللہ میری عمر کا عمدہ ترین حصہ آخری ساعات کو بنا۔

نیز اگر ہمارے یہ صاحب ہم سے پہلے سفر آخرت پر روانہ ہو گئے اور ان کی وفات کے بعد ہم ان پر تنقید کریں تو لوگوں کو کہنے کا موقع ملے گا کہ ان کی زندگی میں تو

بولنے کی ہمت ہوئی نہیں، اب زبان کھلی ہے اور گڑے مردے اکھاڑنے چلے ہیں۔ یہ بھی خیال ہوا کہ شاید زندگی کے آخری وقت میں نقد ومواخذہ نصیحت پذیری کے لئے کچھ زیادہ مؤثر ثابت ہو، اور ممکن ہے رجوع وانابت کی توفیق حاصل ہی ہوجائے۔ کیونکہ حیات دنیا کا دم بازپسیں اور حیات آخرت کی آمد بجائے خود برائیوں سے روکنے اور کج روی سے باز رکھنے کا مؤثر ترین ذریعہ ہے اور موت کا قرب توبہ وانابت پر آمادہ کرنے والی بہترین شے ہے، اس بنا پر استخاروں اور طویل غور وفکر کے بعد خالص اللہ کی رضا جوئی اور خوشنودی کے لئے حریم دین کی پاسبانی کی نیت سے نقد وتبصرہ کے لئے کمربستہ ہوگیا۔ اس سلسلے میں میرے پیش نظر کوئی دنیوی مفاد نہیں ہے اور آدمی کی بدبختی کے لئے یہی بات کافی ہے کہ عمر کے ستر سال گزر جانے کے بعد بھی اللہ کی ناراضگی اور غضب کے اسباب سے باز نہ آئے۔

مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ ان کی جماعت کے پاس مالی وسائل کی کثرت ہے، ان کے قبضے میں اخبار ورسائل ہیں۔ قرطاس وقلم کی طاقت ہے، ان کے حامی ومددگار بہت ہیں۔ ان کے زیرانتظام انجمن اور ادارے ہیں۔ ان کی تنظیمی قوت تو اس درجہ زبردست ہے کہ اچھے اچھے لوگ حیران ہیں کتنے ہی پاکستانی، ہندوستانی اور عربی میں نیز کتنے ہی جاہل وگمراہ صحافی ہیں جو ان کی ظاہری آب وتاب اور بلند بانگ دعووں سے مسحور ہیں۔ ان میں سے بعض مختلف انداز اور مختلف اسالیب بیان میں قلم وزبان کی بازیگری دکھاتے رہتے ہیں اور مقصد سوائے حصول مال وجاہ کے کچھ نہیں ہوتا (حصول) زر کے لئے شہر در شہر پھرتے رہتے ہیں اور نوع بنوع کے عنوانات بالکل جھوٹے اور پرفریب کام میں لاتے رہتے ہیں۔ انہیں نہ اللہ کا کچھ ڈر اور نہ یوم حساب کا کوئی اندیشہ، نہ خدا کے سامنے جوابدہی کا احساس اس طرح کے لوگ عیب جوئی اور

بدگوئی میں زبانیں دراز کریں گے اور ان کے قلم بہتان طرازی میں مصروف ہوں گے۔ اللہ ان کے ساتھ انصاف کا معاملہ فرمائے یا پھر اپنے فضل سے راہ حق کی جانب رہنمائی کرے۔ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

کسی نے خوب کہا ہے:

ان للـــه عبادا فطنا طلقوا الدنیا وخافو الفتنا

اللہ کے کچھ سمجھدار بندے ہیں جو فتنوں سے ڈرے اور دنیا کو طلاق دیدی

نظروا فیھا فلما علموا انھا لیست لحی وطنا

انہوں نے اس میں غور کیا پس جب سمجھ لیا کہ یہ کسی زندہ کا وطن نہیں ہے

جعلوھا لجۃ واتخذوا صالح الاعمال فیھا سفنا

تو اس کو دریا قرار دیا اور اعمال صالحہ کو کشتی بنالیا۔

خلاصہ یہ کہ میں نے اب اس امر میں عجلت کی اور کررہا ہوں۔ اللہ سے امید ہے کہ مجھے اپنے مقصود کو پورا کرنے کی توفیق ہوگی اور مودودی صاحب کو اتنی حیات ملے گی کہ میری معروضات ان کے کانوں تک پہنچ جائیں۔ شاید پچھلی غلطیوں سے رجوع کرلیں اور راہ راست پر چل پڑیں یہ میری سعادت ہوگی کہ اس ذریعے سے وہ راہ حق پر گامزن ہوجائیں اور اس ضلالت وگمراہی سے نکل جائیں جس سے عقلاء حیران ہیں۔ یا جو لوگ ان کے فضل وکمال پر فریفتہ ہیں انہیں ہی کچھ تنبہ ہو اور ان کی کج روی سے اظہارِ برأت کردیں۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

سابقہ معروضات ایک نظر میں

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مودودی صاحب کے وہ افکار ونظریات اختصار سے بیان کر دئے جائیں جن پر کتابچہ کے جزواول میں قدرے تفصیل سے ہم نقد کر چکے ہیں وہ کل دس امور ہیں۔

(۱) الٰہ، رب، عبادت، دین کے معانی کی تحریف۔

اس عنوان پر انہوں نے مستقل ایک رسالہ تحریر کیا ہے یہی تحریف ہر گمراہی اور کج فکری کی بنیاد ہے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ امت پر ان اصطلاحی الفاظ کے معانی مخفی رہ گئے اور اس بنا پر دین کا تین چوتھائی حصہ بلکہ اس سے زیادہ نگاہوں سے مستور رہا بلکہ اسلام کی حقیقی روح گم ہو کر رہ گئی تھی۔ اس سے ان کا مطلب یہ ہے کہ تاویل وتحریف کا جو منصوبہ ان کے ذہن ودماغ میں پرورش پا رہا ہے اسے قابل قبول بنا کر لوگوں کے حلق میں اتار سکیں۔ ان کے نظریہ کی رو سے نماز، روزہ، حج وزکوٰۃ وغیرہ ایک مقصد اعلیٰ یعنی ''حکومت الٰہیہ'' کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ مودودی صاحب کا دعویٰ بغایت خطرناک اور حق وصواب سے بعید تر ہے۔ کیونکہ اس کا نتیجہ یہ نکالا جا سکتا ہے کہ جب حکومت حاصل ہو جائے اور مقصد پالیا جائے تو ان عبادات کی ضرورت باقی نہیں رہ جائے گی۔

(۲) اسلام کے بنیادی مقاصد کی ایک قسم مثلاً توحید ورسالت وغیرہ تو نا قابل ترمیم ہے اور دوسری قسم میں حسب مصالح وضرورت تبدیلی کی جا سکتی ہے

وہ مقاصد ہیں جو عقائد کے علاوہ ہیں۔اس میں نماز، روزہ، حج وزکوٰۃ وغیرہ بھی آجاتے ہیں۔ان کے خیال میں اس کی مثالیں بے شمار ہیں۔مثلاً قبائل وخاندان کی مساوات کا اصول جس پر آنحضرت ﷺ مدت العمر کاربند رہے۔لیکن آپ نے آخر میں یہ قرآنی اصول ترک فرما کر یہ اعلان فرمادیا کہ "الائمۃ من قریش" حاکم قریش میں سے ہوں گے۔ان کا یہ دعوی انتہائی مہلک نتائج کا حامل ہے۔کیونکہ اس نظریہ کی رو سے تمام عبادات کا خاتمہ یا ان میں ترمیم (تغیر) واصلاح بآسانی کی جاسکتی ہے اور اس کے علاوہ بھی بدترین نتائج اس سے نکالے جاسکتے ہیں۔

(۳) نبوت کے لئے عصمت ذاتی اور دائمی نہیں ہے۔انبیاء علیھم السلام سے عصمت کبھی کبھی ان کی بشریت ظاہر کرنے کے لئے جدا بھی ہوجاتی ہے اور اس وقت ان سے خطا اور گناہ کا صدور ہوجاتا ہے۔اس نظریہ کی قباحت محتاج بیان نہیں۔نبوت پر سرفراز ہونے کے بعد انبیاء کی عصمت تو پوری امت کا اجماعی مسئلہ ہے ممکن ہے عصمت کا یہ نظریہ...... جسے مودودی صاحب پیش کرتے ہیں...... روافض کا عقیدہ ہو۔کیونکہ ان کے نزدیک عصمت "امامت" کے لئے مخصوص ہے۔

(۴) دین درحقیقت "اقامت حکومت" کا نام ہے اور عبادات اس کی تحصیل کا ذریعہ ہیں۔جن کی فرضیت بندوں پر اسی کار عظیم یعنی حکومت الٰہیہ کی تیاری اور استعداد کے لئے ہوتی ہے۔اس نظریہ کی مہملیت بھی ظاہر ہے۔کیونکہ انسان کی تخلیق درحقیقت عبادت ہی کے لئے ہے۔

(۵) مودودی صاحب نے اللہ کے ارشاد" ارسل رسوله بالهدیٰ

ودین الحق " میں "ھدیٰ" کی تفسیر یہ کی ہے کہ اس سے مراد "دنیا میں زندگی بسر کرنے کا صحیح طریقہ ہے ۔انفرادی برتاؤ خاندانی نظام، سوسائٹی کی ترکیب، ملکی معاملات سیاسی حکمت عملی وغیرہ" دین کی تفسیر یہ کی ہے کہ "لوگوں کا کسی بالاتر اقتدار کو تسلیم کر کے اس کی اطاعت کرنا، انہوں نے کہا ہے کہ دراصل دین کا لفظ قریب قریب وہی معنی رکھتا ہے جو انگریزی میں "اسٹیٹ" کا معنی ہے۔اس دعویٰ کی خرابی بالکل واضح ہے۔ بندۂ خدا نے معاملہ ہی الٹ دیا۔اقتدار تو ملک وملت کی اصلاح کے لئے مطلوب ہیں نہ کہ عبادات ذریعہ ہیں اقتدار کے لئے۔

(۶) مکہ احد بیت اللہ الحرام کے باشندے پچھلی جاہلیت کی طرف لوٹ گئے ہیں۔انہوں نے تمام دینی، اخلاقی اور اسلامی امتیازات کھودئے۔حجاج جب یہ حالت دیکھتے ہیں تو بجائے کچھ پانے کے الٹا کچھ کھو کر ہی اپنے وطن لوٹتے ہیں۔

(۷) "خروج دجال کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی رائے میں غلطی ہوئی۔کیونکہ طویل مدت گزر جانے اور اس کے نہ ظاہر ہونے نے آپ کی رائے غلط ثابت کردی۔" حالانکہ قیامت سے پہلے ظہور دجال کا عقیدہ ایسا ہی قطعی ہے جیسا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا اعتقاد۔ان کا یہ قول کفر کے قریب پہونچا ہوا ہے۔کیونکہ یہ حدیث متواتر ہے۔اخبار احاد میں سے نہیں ہے۔

(۸) سعودی حکومت کے متعلق ان کی رائے یہ ہے کہ وہ اسلامی نظام پر قائم نہیں ہے۔انہوں صراحۃً سعودی حکومت کا نام نہیں لیا ہے۔لیکن جہاں انہوں نے جاہلی سوسائٹی پر تنقیدات کی ہیں اس کے مندرجات سے صاف یہی ظاہر ہوتا ہے (کہ

سعودی حکومت نشانہ ہے) ملاحظہ ہو (تجدید واحیاء دین ص:۲۰)

(۹) سیدنا حضرت عثمانؓ نے طلقاء صحابہ (یعنی فتح مکہ کے بعد مسلمان ہونے والے صحابہ) کو بڑے بڑے عہدے سپرد کردئے حالانکہ وہ اسکے اہل نہ تھے اس لئے انکے خلافت میں خرابیاں رونما ہوئیں

(۱۰) صحابہ کے باب میں ان کا نظریہ یہ ہے کہ صحابہ اوران کے علاوہ بعد کے تمام حضرات علاوہ رسول اللہ علیہ وسلم کے سب رد ونقد میں برابر ہیں۔ صحابہ معیار حق نہیں ہیں۔ حالانکہ معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دین میں صحابہ کی سیرت اور ان کے طریقوں کے اتباع کا حکم دیا ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

یہ دس امور ہیں جن کی طرف اشارہ کیا گیا۔ پہلے حصے میں ان سب پر مختصر مختصر بحث اس اعتماد پر کی گئی ہے کہ اہل علم حضرات اس اجمال سے پوری تفصیل خود بخود سمجھ جائیں گے۔

تفہیم القرآن پر انتقاد

اب اس دوسرے جز میں مودودی صاحب کی تفسیر تفہیم القرآن سے کچھ اقتباسات اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے حق میں ان کے گمراہ کن نظریات پیش کرنے کا قصد ہے۔ کچھ باتیں ان کی اور تالیفات سے لی جائیں گی۔ جن سے ان کے فساد اعتقاد کا مزید کچھ اندازہ ہوگا۔

ان اقتباسات میں بعض نمونے تو ایسے ہیں جن سے ان کی بدفہمی اور جہالت

ٹپکی پڑتی ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان گہرائیوں میں اترنے اور اس سمندر میں غواصی کرنے کی استعداد ان میں قطعاً نہیں ہے مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان کی جاہ پرستی ہر چیز میں اظہار مہارت کے لئے بیچین رہتی ہے۔ ان کی بڑی خواہش یہ ہے کہ لوگ دین ہو یا سیاست ہر میدان میں ان کی لیڈری اور زعامت تسلیم کرلیں۔ کاش ان میں یہ صلاحیت ہوتی۔ ایک اخبار نویس اور ایڈیٹر جو فقط اردو انشا پردازی کا ملکہ رکھتا ہے نہ علماء سے حصول کیا اور نہ صالحین کی صحبت سے مستفید ہوا، چاہتا ہے کہ آسمانی علم کی وسعتوں میں اڑان بھرے اور اڑان بھی ایسی کہ اوائل واواخر سب اس کے پیچھے رہ جائیں۔ یہ شخص جب دینی مسائل میں داخل ہوتا ہے تو اپنے تئیں یہ سمجھنے لگتا ہے کہ امام ابن دقیق العید، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ جیسے اکابر پر فوقیت لے گیا اور جب میدان سیاست میں گھستا ہے تو اسے حضرت عثمان، عمر بن عبدالعزیز، خلفاء بنی امیہ و بنی عباس اور بعد کے تمام ملوک وسلاطین سب پر تفوّق وبرتری کا احساس ہونے لگتا ہے اور جب تقویٰ وخوف خدا کے خلوت کدے میں پہونچتا ہے تو شاید حضرت داؤد وسلیمان، حضرت موسیٰ ویونس، بلکہ خود سید العالمین محمد علیہ وعلیہم صلوات اللہ وسلامہ کو بھی اپنے سے کمتر سمجھنے لگتا ہے۔ اللہ اللہ یہ ادعاء، یہ خود بینی، اور یہ زعم باطل۔ افسوس صد افسوس۔

لای رزایا الدھر فیہ لغاتب وای رزایاہ بوتر نطالب

زمانے کو اس کی کن کن ہلاکت خیزیوں پر ملامت کریں۔ اور کن کن مصائب کے بدلے کا مطالبہ کریں۔

مصائب شتی جمعت فی مصیبۃ ولم یکفھا حتی تفتھا مصائب

ایک مصیبت میں کتنی مصیبتیں جمع ہیں۔ابھی ایک سے خلاصی نہ ہوئی تھی کہ اس کے پیچھے لگاتار مصیبتیں آ گئیں۔

رنج کی بات یہ ہے کہ ان کی جماعت کے افراد یہ ناگوار مباحث پڑھتے ہیں اور کھلی آنکھوں دیکھتے ہیں کہ یہ شخص پیغمبروں پر، امہات المومنین پر، صحابہ پر بے دھڑک تنقید واعتراض کرتا ہے اوران کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی اور نہ ان کی کوئی رگ پھڑکتی ہے۔سنتے ہیں اور خاموش رہتے ہیں۔مزید یہ کہ اگر ان کے لیڈر جناب مودودی پر کوئی تنقید کردی جاتی ہے تو غیظ وغضب کے انگارہ بن جاتے ہیں اور چیخ وپکار کرنے لگ جاتے ہیں۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

خدا گواہ کہ پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے اور مرض لاعلاج ہو گیا ہے اگر یہ بات نہ ہوتی تو مجھے ہرگز گوارا نہ تھا کہ ان ہفوات وخرافات کے انکشاف میں مشغول ہوتا، کیونکہ وقت قیمتی اور اہم ہے اور زندگی کی فرصت ختم ہوا چاہتی ہے اور بہت سے دینی مسائل اس سے بڑھ کر محتاج خدمت ہیں۔جتنی کہ خشک زمین بارش وسیرابی کی، مگر یہ بھی ہے کہ اس جیسے بڑھتے ہوئے سیلاب کے مقابلے میں دینی عمارت کی حفاظت ساری خدمت سے مقدم ہے۔کیونکہ دفع مضرت، حصول منفعت سے زیادہ اہم ہے اور فتنہ بڑھ اور چڑھ چکا ہے اور جہالت کا قلم حد سے تجاوز کر گیا ہے۔

تفہیم القرآن کے متعلق غلو اور اس کے نتائج:

جماعت اسلامی کا غلو اس کتاب کے متعلق اس درجہ بڑھا ہوا ہے کہ اس کی ہم

پایہ کوئی دوسری تفسیر نہیں شمار کرتے، اور مؤلف کو اپنے رنگ کا پیشرو سمجھتے ہیں اور اب تو اس کا عربی انگریزی زبانوں میں ترجمہ بھی ہونے لگا ہے اور جدید عربی نسل جو دینی علوم سے بہت دور جا پڑی ہے، جب اس کی قرآن فہمی کا مدار اس جیسی تفسیر پر ہوگا تو دینی شعور کے عواقب وانجام کیا ہوں گے؟ پھر اس میں جماعت کے اس ادعاء باطل کو بھی شامل کر کے دیکھئے کہ ”مودودی صاحب تمام مفسرین پر سبقت لے گئے“ نیز دوسرے ارباب تفسیر واسلاف امت کی تحقیر وتنقیص بھی ملا لیجئے۔ پھر خدارا بتایئے ان نوجوان مسلمانوں کا کیا حال ہوگا۔ جو اس تفسیر پر فریفتہ ہیں؟

دین کیا ہے؟ اللہ ورسول، کتاب اور ائمہ مسلمین کی بہی خواہی وخلوص۔ پس ایسی حالت میں سکوت ناقابل انکار جرم ہے اور غالبا ایسا گناہ جس کی بخشش نہ ہوسکے۔ اس لئے ہم نے بھی اللہ کی توفیق سے یہ عزم کیا ہے کہ ان کی تفسیر پر پڑے ہوئے پردے اٹھادیں، جن کی وجہ سے نگاہیں صحیح حقائق کا ادراک نہیں کر پا رہی ہیں۔ اس سلسلے میں فقط چند نمونے ہی پیش کئے جائیں گے۔ تمام تر غلطیوں کے استیعاب کا ارادہ نہیں۔ گویا یہ چند قطرے ہیں جو تیز موسلا دھار بارش کا پتہ دے رہے ہیں۔ علاوہ ازیں ہمارا یہ اقدام ایک طرح سے ان کے امر کا امتثال بھی ہے انہوں نے ”تفہیم القرآن“ کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ

”علماء کرام سے میں گزارش کرتا ہوں کہ مجھے میری غلطیوں سے آگاہ فرمائیں“ تفہیم القرآن ص:۶۔ اس امر کا امتثال بھی مقصود ہے کہ ان کی اغلاط وہفوات پر تنبیہ کردی جائے۔ تاہم میں یہ بھی صراحۃً عرض کردینا چاہتا ہوں کہ انہیں تفسیر قرآن

کرنے کا استحقاق نہیں ہے اس کار عظیم کی جسارت کرنا ان کے لئے مناسب نہ تھا۔ اللہ نے ہر علم وفن کے لئے مخصوص افراد بنائے ہیں۔ مودودی صاحب کا تفسیر سے کوئی تعلق نہیں۔ کاش وہ سمجھتے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ کاش وہ اپنی لغزش قلم بلکہ گمراہی وضلالت سے رجوع کرلیں تا کہ اہل حق کو اس تنقید واعتراض سے فرصت مل جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

من حسن اسلام المرء تر که مالا یعنیه

آدمی کے اسلام کا حسن یہ بھی ہے کہ لایعنی سے پرہیز کرے۔

کسی کا قول ہے کہ:

من حسن عقل المرء ان لایدخل فیمالایحسنه

عقل انسانی کا کمال یہ ہے جس میں آدمی کو مہارت نہ ہو اس مین نہ گھسے۔

مودودی صاحب کی تحریک وتفسیر کے اثرات

مودودی صاحب کی کتابوں بالخصوص ان کی تفسیر کا سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ اس کے مطالعہ کرنے والے کا تعلق اگر پہلے سے دین کے ساتھ دین لانے والے کے ساتھ، اور دین کو ہم تک پہنچانے والے حضرات صحابہ تابعین اور اسلاف امت کے ساتھ بہت گہرا اور مستحکم نہ ہوا تو یقیناً اس پر ذیل کے گمراہ کن اثرات مرتب ہوں گے۔

پہلا تاثر:

پہلا اثر تو یہ ہوگا کہ جس طرح ہمیشہ مختلف انداز سے تحریکیں اٹھتی رہتی ہیں ایسے ہی اسلام بھی ایک تحریک ہے۔ یہ تحریک ایک شخص نے برپا کی۔ اس کے ساتھ معاونین کی ایک جماعت شامل ہوگئی جس نے اس کی نصرت کی اس کے نتیجے میں بڑی تیزی کے ساتھ یہ تحریک کامیاب ہوئی۔ مگر پھر اسی سرعت کے ساتھ اس میں ضعف وخلل بھی راہ پانے لگ گیا۔ تحریک کے قائدین اسے سنبھال نہ سکے اور اس کے بقاء ودوام سے عاجز ہوگئے۔ بالآخر اصلی تحریک کا نام ونشان مٹ گیا اور کہیں اس کے نشان وآثار باقی نہ رہے۔ البتہ اب ایک مدت دراز کے بعد مودودی صاحب کا ظہور ہوا اور انہوں نے اس کی تجدید واحیاء کا فریضہ انجام دیا۔

دوسرا تاثر:

رسول اللہ ﷺ جیسے اور انسان ہوتے ہیں۔ ایسے ہی آپ بھی ایک بشر تھے! غور وتدبر کرتے کبھی غلطی بھی کر جاتے اور کبھی درست بھی سوچتے کبھی کامیاب ہوتے کبھی ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا۔ کبھی فتح وظفر اور غلبہ حاصل کر لیتے اور کبھی ہزیمت وشکست سے دوچار ہوتے۔ جیسا کہ دیگر ملوک وسلاطین کے یہاں ہوتا رہتا ہے کہ فتح وہزیمت دونوں ہی کا مزہ چکھتے رہتے ہیں۔ پھر اثناء گفتگو میں آپ کو نبی ورسول بھی کہتے جاتے ہیں۔ بیچ بیچ میں آپ کی تعریف وتوصیف بھی کرتے رہتے ہیں۔ یہ سب کچھ ہے لیکن وہ مرکزی نقطۂ نظر جو جابجا نمایاں ہوتا رہتا ہے وہ یہی ہے کہ آپ عام انسانوں

کی طرح ایک انسان تھے۔ ہاں آپ کی شخصیت عبقری شخصیت تھی۔ گویا اس تحریک اور اس نبی آخرالزمان کے ساتھ نہ کوئی معبود تھا...... جو اس کی تائید وحمایت کرتا۔ نہ کوئی رب تھا جو اس کی نصرت واعانت کرتا۔ وہاں اس کی امداد کے لئے نہ کوئی فرشتہ نازل ہوتا تھا نہ غلبہ ونصرت کی کوئی آسمانی تدبیر ہوئی اور نہ فتح وظفر کے واسطے کوئی غیبی تکوینی انتظام ہوتا تھا۔

سوچو کہ جب رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ان کا یہ تاثر ہے اور آپ کے متعلق ان کے دل میں یہ نقش جما ہے تو باقی انبیاء علیہم السلام کے حق میں ان کا کیا خیال وگمان ہوگا۔ پھر کیا تعجب ہے اگر حضرت یونس علیہ السلام ان کے نزدیک فریضۂ نبوت میں کوتاہیاں کرنے والے ہوں اور حضرات داؤد علیہ السلام ایک عورت کی محبت میں مغلوب ہو کر اس سے نکاح کرنے کی خواہش میں اس کے شوہر اور یا اسے طلاق حاصل کرنے کا حیلہ کرتے ہوں اور یہ کہ موسیٰ علیہ السلام ان کے خیال میں جلد باز فاتح ہوں۔ انا للہ۔

تیسرا تاثر:

رسول اللہ ﷺ کے تربیت یافتہ اصحاب بھی عام لوگوں کے مثل بشر تھے۔ ان کے دل حُبّ دنیا کے مریض، اور جاہ وثروت کے اسیر تھے، اور باقی حکام وسلاطین کے ہاں جو انتظامی طریقے ہوا کرتے ہیں ان ہی کو صحابہ بھی اختیار کرتے تھے۔ ان سے خلافت راشدہ کا نظام حکومت بھی چند سالوں سے زائد سنبھالا نہ جاسکا۔ سب سے پہلے تغیر وترمیم اس میں حضرت عثمانؓ نے کی۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی سنت چھوڑی۔

حضرات شیخین (ابوبکر و عمر) کے اسوہ سے انحراف اور نظامِ خلافت میں ایسی دشواریاں اور مشکلات چھوڑ گئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس کی اصلاح پر قادر نہ ہو سکے۔ پھر بنی امیہ کے خلفاء یکے بعد دیگرے اس میں ترمیمات کا دائرہ وسیع تر کرتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز جیسا خلیفہ راشد بھی ان کی اصلاح و درستگی میں ناکام رہا۔ وہ شرعی اساس پر حکومت عادلہ برپا نہ کر سکے۔ مودودی صاحب کے کھینچے ہوئے نقشہ کو دیکھ کر یہ تاثر ہوتا ہے کہ ان خلفاء نے نہ تو ممالک فتح کئے نہ نظام جہاد قائم کیا۔ نہ دین کی کوئی خدمت کی اور نہ ہی دین کی روح کو سمجھا۔ تا آنکہ "الاستاذ المودودی" تشریف لائے اور انہوں نے تجدید احیاء دین کا کارنامہ انجام دیا۔

چوتھا تاثر:

یہ کہ اب تک قرآن کریم کے جتنے ترجمے ہوئے ہیں اور تفسیریں لکھی گئی ہیں وہ ایسی خشک اور بے مغز ہیں کہ ان کے پڑھنے سے نہ روح کو وجد آتا ہے، نہ بدن پر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، نہ آنکھوں سے آنسو ابلتے ہیں، اور نہ جذبات میں کوئی تحریک پیدا ہوتی ہے، تنہا مودودی صاحب کی "تفہیم القرآن" کو یہ رتبہ و مقام حاصل ہے کہ اس کے مطالعہ سے آنکھیں ڈبڈبا آئیں، رونگٹے کھڑے ہو جائیں، جذبات کی گرمی سے دل پگھل جائیں جگر پاش پاش ہو جائے قلوب میں حرکت و اہتزاز پیدا ہو اور دماغوں پر ایک خاص سرمستی چھا جائے۔ جس نے ذرا غور سے تفہیم القرآن کا مقدمہ پڑھا ہو وہ یہ سب باتیں سمجھتا ہوگا۔

افسوس! غریب مفسر کو یہ تک نہیں معلوم کہ یہ واردات و کیفیات قرآن کریم

کے الفاظ وعبارت اور اسلوب کی خصوصیات ہیں جو خدائے علیم وخبیر جل شانہ کا کلام ہے اور اس کی شان یہ ہے کہ کثرت تکرار سے نہ وہ پرانا ہوتا ہے اور نہ اس سے طبیعت اکتاتی ہے۔ ان کیفیات وحالات کی لذت وہی پا سکتا ہے جو خود قرآن کریم کو غور وتدبر سے پڑھے قرآن کے اسالیب بیان کی باریکیوں سے آشنا ہو اور اس کا فطری ذوق رکھتا ہو، نیز قرآن کریم کی حلاوت اس کے قلب وروح میں اس طرح رچی بسی ہو جیسے روح ہر ہر حصۂ بدن میں سمائی ہوتی ہے۔ یہ شخص ہے جو قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے وجد واہتزاز کی لذتوں سے شادکام ہوتا ہے اور اس کی روح اس طرح پھڑک اٹھتی ہے جیسے کہ چڑیا پھڑ پھڑائے۔ یہ خصوصیت کسی ترجمہ میں نہیں ہے خواہ وہ کوئی ہو۔ مودودی صاحب اور مولانا آزاد ہی کا کیوں نہ ہو، پس تمام ترجموں پر اعتراض کر کے ان کو گھٹا دینا کھلی غلط بیانی ہے، کیا موصوف کا ترجمہ ان خصوصیات سے لبریز ہے؟ ہرگز نہیں پھر ان کو دوسرے تراجم پر تنقیدی حربے استعمال کرنے کا کیا حق ہے؟ نیز اس کا کیا حق کہ اپنے ترجمہ میں ان صفات وخصوصیات کا دعویٰ کر بیٹھیں. سبحانک هذا بهتان عظیم۔ خلاصہ یہ کہ ان کی تفسیر کا مطالعہ گذشتہ تمام اکابر سے بدظنی پیدا کر کے صرف یہ یقین دلانا چاہتا ہے کہ تنہا مودودی صاحب نے جو کار عظیم انجام دیا ہے وہ اوائل واواخر کسی سے نہ بن پڑا اس زعم باطل کو فنا کرنے کے لئے ہم مجبور ہیں کہ ان کی غلطیوں کی چند مثالیں نمونۃً لکھ دیں۔

اس سے پہلے میں اپنے ایک رسالہ "یتیمۃ البیان فی شئ من علوم القرآن" میں ان کی اس تفسیر پر کچھ نقد کر چکا ہوں۔ پہلے اس کو بعینہٖ نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہوں پھر مزید کچھ نمونے پیش کروں گا۔

چوتھی تفسیر تفہیم القرآن ہے، اس کے مؤلف جناب ابوالاعلیٰ مودودی ہیں۔ موصوف اردو کے قادر الکلام صحافی ہیں۔ انہیں صحافت میں فطری دستگاہ حاصل ہے، انشاء پردازی کے منفرد اسلوب کے مالک ہیں، موضوعات ومباحث کی تحلیل و تجزیہ میں رواں دواں قلم رکھتے ہیں۔ انہیں عام نگاہوں کو مسحور کرنے اور نوجوانوں کو مسخر کرنے کی غیر معمولی قدرت ہے اور بسا اوقات وہ اچھوتے مباحث بھی سامنے لاتے ہیں۔

تاہم مصیبت یہ ہے کہ ان کو دینی علوم میں رسوخ، علوم عربیت اور بلاغت میں دستگاہ، بلیغ عربی کا صحیح مذاق میسر نہیں۔ وہ ہمیشہ دوسروں کے ملبہ پر اپنی عمارت تعمیر کرتے ہیں۔ لیکن جب اپنے اسلوب میں اسے تعبیر کرنا چاہتے ہیں تو اکثر جادۂ حق سے نکل جاتے ہیں۔ ان کی خودرائی و خود بینی بسا اوقات ان کو ایسا نچا دیتی ہے جو دائمی ننگ و عار کا باعث ہے، پھر اس کے ساتھ ہی انہیں ہر علم وفن میں شان تحقیق کی نمائش کرنے کا بھی شوق ہے۔ حالانکہ سچی بات یہ ہے کہ بجز اردو ادب کے وہ ہر موضوع میں مسکین محض ہیں اور عیب بالائے عیب یہ ہے کہ ہر جگہ سلف صالحین پر کیچڑ بھی اچھالتے جاتے ہیں۔ یہ خرابی تقریباً ان کی تمام کتابوں اور تمام مضامین میں مشترک ہے۔

ان کی اس تفسیر میں نقد و نظر کی بہت گنجائش اور تنقید و اعتراض کے بہت مواقع ہیں اس رسالہ میں زیادہ مثالیں پیش کرنے اور ان پر بحث کرنے کی گنجائش نہیں ہے، تاہم چند نمونے لکھے جاتے ہیں۔

(۱) صحابہ پر اعتراض:

غزوۂ احد کے سلسلے میں سورۂ آل عمران کی آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں

''سودخواری جس سوسائٹی میں موجود ہوتی ہے اس کے اندر سودخواری کی وجہ سے دو قسم کے اخلاقی امراض پیدا ہو جاتے ہیں، سود لینے والوں میں حرص و طمع بخل اور خودغرضی اور سود دینے والوں میں نفرت، غصہ اور بغض وحسد، احد کی شکست میں ان دونوں قسم کی بیماریوں کا کچھ نہ کچھ حصہ شامل تھا''۔ (تفہیم القرآن ج:۱ص:۲۸۸ طبع خامس)

غور کرو کہیں قرآن کریم میں اشارۃً بھی یہ ذکر ہوا ہے کہ غزوہ احد کی ہزیمت میں ان بیماریوں کا کچھ حصہ شامل تھا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ تو ارشاد فرماتے ہیں۔

ولقد صدقکم اللہ وعدہ اذ تحسّونهم باذنه حتی اذا فشلتم وتنازعتم فی الامر وعصیتم من بعد ماارا کم ماتحبون.

اور اللہ تو سچا کر چکا تم سے اپنا وعدہ، جب تم قتل کرنے لگے ان کو اس کے حکم سے یہاں تک کہ جب تم نے بزدلی کی اور کام میں جھگڑنے لگے اور نافرمانی کی بعد اس کے کہ تم کو دکھا چکا تمہاری خوشی کی چیز۔

اور فرمایا:

ان الذین تولوا منکم یوم التقی الجمعٰن انما استزلهم الشیطان ببعض ماکسبوا ولقد عفااللہ عنهم.

جولوگ تم میں سے ہٹ گئے جس دن لڑیں دو فوجیں سو ان کو بہکا دیا

شیطان نے ان کے گناہ کی شامت سے اوران کو بخش چکا اللہ۔

یہ اللہ کا ارشاد ہے اور وہ جناب مودودی کا فیصلہ۔غور کرو کیا نسبت؟ مانا کہ تیراندازوں نے امیر کی حکم عدولی کی، ان کے کلام میں تاویل سے کام لیا، اور مال غنیمت کی تحصیل میں حصہ لینے کو ترجیح دی، لیکن کیا اس کا محرک ان میں حرص وحسد اور بغض وکینہ کا وجود تھا؟ یہ بھی تسلیم کہ اس وقت تک سود کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی لیکن کیا ان کے مخلصانہ ایمان قبول کرنے کے بعد بھی یہ رذائل اثر انداز ہوسکتے تھے؟ اس سے بھی قطع نظر کیا اللہ نے بھی مودودی صاحب کے ذکر کردہ اسباب کی جانب کوئی اشارہ فرمایا۔کیا ''ببعض ما اکتسبوا'' کا وہی معنی ہے جو جناب مودودی ارشاد فرماتے ہیں۔اس اللہ کے بندے کو تو گویا انتظار سا رہتا ہے کہ کب فرصت ہاتھ لگے اور صحابہ پر لعن وطعن کے تیر برسا کر دل کا بخار نکالے۔اللہ انہیں ہدایت دے۔

سید قطب کی عبارت نہ سمجھی:

حیرت ہے کہ جناب مودودی نے شاید سید قطب کی ''ظلال القرآن'' کا مطالعہ کیا اور غالباً انہوں نے غزوۂ احد کے سلسلے میں چند صفحے پڑھے، جہاں انہوں نے آیت (۱۲۱) سے (۱۸۹) تک کے تفسیری نوٹ مسلسل لکھے ہیں۔بالخصوص آیت (۵۹) کی تفسیر کرتے ہوئے اس کے لطائف وحقائق، نظم وارتباط اور باہم آیات کے ربط واتصال پر گفتگو کی ہے یہاں غزوۂ احد کی چند آیات کے بعد درمیان میں جو ایک آیت ''یاایھا الذین آمنوا لاتاکلوا الربا اضعافاً مضعفة'' آگئی ہے اس سلسلے میں موصوف تحریر فرماتے ہیں:

ولعل مما يلفت النظر فی التعقيب القرآنی علی احداث المعركة هو ذلك الازدواج العجيب بين استعراض مشاهدها وبين التوجيهات الاخری المتعلقة بتصفية النفوس......وتحريرها من ربقة الشهوات وتقلة المطامع وظلام الاحقاد وضعف الحرص والشح والرغبات الرفينة.

شاید غور وفکر کا ایک مقام یہ بھی ہے کہ یہ آیت واقعہ جنگ کے فوراً بعد آ گئی ہے وہ یہ کہ لڑائی کے واقعات کی تفصیل......اوران دوسری ہدایات جن کا تعلق تزکیہ نفس کے ساتھ اور خواہشات کی غلامی، حرص وطمع کے بوجھ، عداوت کی تاریکیوں سے نجات کے ساتھ ہے، اور جس میں بخل اور حد سے بڑھی ہوئی لالچ نیز پوشیدہ شہوات کے کمزور پہلوں کا بیان ہے ان سب مضامین کے درمیان ایک عجیب ربط ہے۔

پھر طول طویل تفصیل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

وكذلك هی ذات ارتباط وثيق بالاوضاع التشطيمية التی تقدم عليها حيلة الجماعة الملة وفق منهج الله القويم.المنهج الذی يقوم علی الشوری فی الخياة كلهالا فی نظام الحكم وحده وعلی النظام التعاونی لا النظام الربوی.والتعاون والربا لايجتمعان فی نظام الی ان قال: ومن ثم عرج الربوا فنهی عنه وعرج علی الانفاق فی

السراء والضراء وعرج على طاعة الله ورسوله فجعلها مناط الرحمة الى ان قال: والمجتمع التعاونى اقرب الى النصر من المجتمع الربوى. وكظم الغيظ والعفو من عدة النصر. اھ.

ایسے ہی یہ آیت ان انتظامی احوال سے بھی گہرا ربط رکھتی ہے جن کے ذریعے اللہ کی بتائی ہوئی سیدھی راہ پر مسلمانوں کی ملی حیات آگے بڑھی تھی۔ وہ راہ جو نہ صرف نظام حکومت میں بلکہ پوری زندگی میں شورائی نظام پر قائم واستوار ہوتی ہے۔ اور جس کا مدار باہمی امداد کے اصول پر ہے نہ کہ سودی نظام پر، درحقیقت سود اور باہمی امداد دونوں اکٹھا نہیں ہوسکتے ...... اسی بناء پر ترقی کر کے ربوا کا ذکر کیا اور اس کو حرام قرار دیا، پھر اور آگے بڑھ کر خوش حالی و بدحالی میں انفاق کی ترغیب دی پھر مزید ترقی کر کے اللہ ورسول کی اطاعت مطلقہ کی ہدایت دی ور اس کو حصول رحمت کا مدار ٹھہرایا...... اور باہمی امداد والا نظام سودی نظام کے مقابلے میں نصرت وغلبہ کا زیادہ مستحق ہے اور غصہ کا پی جانا اور عفو درگذر کرنا فتح وکامیابی کا ذریعہ ہے۔

کیا نسبت ہے دونوں باتوں میں، کہاں سید قطب کا بلیغ کلام اور کہاں مودودی کی مہمل اور بو جھل خرافات جو کان اور دماغ دونوں پر ثقیل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مودودی صاحب نے سید قطب کے کلام کی روح سمجھی ہی نہیں۔ بس ان کا خیال انہیں خرافات پر جا پہنچا، اور کج فکری کی وجہ سے یہ سمجھ لیا کہ یہ اخلاقی امراض حضرات

صحابہ میں موجود تھے اور ہزیمت میں ان کا بھی کچھ نہ کچھ حصہ شامل تھا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

اب آپ ہی بتائیں کہ جس کے علم کی پونجی یہ ہو اور اس کی قرآن فہمی کا یہی معیار ہو اسے قران کی تفسیر کرنے کا کیا حق ہے؟ اور میرا تو خیال ہے کہ اب اس موضوع پر کچھ لکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔ مودودی صاحب کی کاوش سے پہلے فصیح و بلیغ اردو میں تفسیریں لکھی جا چکی ہیں۔ مثلاً مولانا ابوالکلام آزاد جو اردو ادب اردو پر مودودی صاحب سے بدرجہا زیادہ قادر تھے، موصوف کی حیثیت تو ان کے ادبی دستر خوان پر فقط ایک طفیلی جیسی ہے، وہ ترجمان القرآن لکھکر فارغ ہو چکے، خود مودودی صاحب بھی اس سے استفادہ کرتے ہیں اور اس کی روشنی میں لکھتے ہیں۔ البتہ ان کی کوشش یہ رہتی ہے کہ اسلوب تحریر اور ایجاد نو میں ان سے دو قدم آگے نکل جائیں۔ چاہتے ہیں کہ کوئی ایسی نئی تحقیق ارشاد فرمادیں جس کی طرف کسی کا ذہن نہ پہنچا ہو اور یہی تن تنہا مرد میداں ثابت ہوں۔ اسی سے بہت سے لوگ فریب کھا گئے، لیکن حقیقۃً ان میں اس کی اہلیت نہیں ہے، اس لئے وہ جاہلیت کے گہری کھڈے میں جا گرے، بعض اوقات مودودی صاحب مولانا آزاد کی غلطیوں میں بھی ان کی تقلید کر جاتے ہیں، ایسے مواقع پر تابع اور متبوع دونوں گمراہی کے یکساں شکار نظر آتے ہیں۔

(۲) سماوات میں تشکیک

"السماوات" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''سات آسمانوں کی حقیقت کیا ہے؟اس کا تعین مشکل ہے،انسان ہر زمانے میں آسمان یا بالفاظ دیگر ماورائے زمین کے متعلق اپنے مشاہدات یا قیاسات کے مطابق مختلف تصورات قائم کرتا رہتا ہے، جو برابر بدلتے رہے ہیں،لہذا ان میں سے کسی تصور کو بنیاد قرار دے کر قرآن کے الفاظ کا مفہوم متعین کرنا صحیح نہ ہوگا۔بس مجملاً اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ یا تو اس سے مراد یہ ہے کہ زمین سے ماوراء جس قدر کائنات ہے، اسے اللہ نے سات محکم طبقوں میں تقسیم کر رکھا ہے، یا یہ کہ زمین اس کائنات کے جس حلقے میں واقع ہے وہ سات طبقوں پر مشتمل ہے۔

(تفہیم القرآن ج:۱ص:٦٦طبع خامس)

یہ گفتگو صاف بتلا رہی ہے کہ موصوف کو ''سبع سماوات'' کی ان تفصیلات کا یقین نہیں ہے، جو قرآن کریم نے آسمانوں کے احوال اور ان کے دروازوں وغیرہ کے متعلق بیان کی ہیں۔آپ انسانی آراء اور بشری افکار سے قطع نظر کیجئے اور دیکھئے کہ قرآن نے صریح اور واضح نصوص میں کیا ذکر کیا ہے؟

آخر یہ اللہ ہی کا تو فرمان ہے:

فقضاهن سبع سمٰوٰت في يومين واوحىٰ في كل سماء امرها.

پس اس نے دو دن میں سات آسمان بنا دئے اور ہر آسمان میں اس کا حکم رکھ دیا۔

اس کے علاوہ احادیث متواترہ بالخصوص معراج کی حدیثوں میں آسمانوں کی

کیفیات، ان میں فرشتوں کا رہنا وغیرہ کتنی تفصیل وتشریح کے ساتھ مذکور ہے، نیز خدائی انتظام اور آسمانی تدابیر کی روداد شرح وبسط کے ساتھ بیان کی گئی ہے، قدیم فلسفہ ہو یا جدید ہر ایک سے کلیۃً صرف نظر کیجئے سائنسی علوم اور ان کی نارسائی کا ذکر بھی چھوڑئے، سائنس داں بیچارہ تو چاند پر پہنچا، مریخ پر اس نے راکٹ اتارے مگر ابھی تک غریب کائنات کی وسعت بیکراں میں مدہوش ہی ہے، اس کے نزدیک تو بعض ستارے کرۂ زمین سے اتنی دور ہیں کہ ان کی روشنی باوجود اپنی غیر معمولی محیر العقول سرعت رفتار (۱) کے لاکھوں سال میں بھی زمین تک نہیں پہونچ پاتی، حالانکہ یہ بعید ترین ستارے بھی...... خواہ مشاہدہ میں آچکے ہوں یا ہنوز نگاہوں اور دوربینوں کی زد سے ورے ہوں...... تمام تر آسمان دنیا کے نیچے ہی ہیں، آسمان کی یہ رفعت دیکھو کہ کس قدر عظیم ہے اور اللہ کے اس فرمان پر نظر ڈالو۔

أأنتم اشد خلقا ام السماء بناها رفع سمكها فسوّها.

کیا تمہارا بنانا مشکل ہے یا آسمان کا اس نے اس کو بنالیا اونچا کیا اس کا ابھار پھر اس کو برابر کیا۔

افلا ينظرون الى الابل كيف خلقت والى السماء كيف رفعت.

بھلا کیا نظر نہیں کرتے اونٹوں پر کہ کیسے بنائے اور آسمان پر کہ کیسا اس کو بلند کیا۔

....

(۱) روشنی کی رفتار فی سیکنڈ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل ہے۔ (مترجم)

چونکہ آسمان اپنی غیر معمولی مسافت کی وجہ سے عقل ونگاہ سے بہت دور ہے

اس لئے

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

کے بمصداق فرض کرلیا گیا کہ وہ منتہائے نگاہ کے علاوہ کچھ نہیں اور اس کی حقیقت بس ایک خوشنما منظر کی ہے کہ نگاہ وہاں تک پہونچ کر درماندگی کے ساتھ لوٹ آتی ہے۔ بلاشبہ یہ نظریہ قطعاً غلط اور باطل ہے۔ قرآن کریم میں آسمان کا وجود اور اس کی صفات صراحۃً موجود ہیں اور پیغمبر ﷺ نے احادیث صحیحہ متواترہ میں اس کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ وہ فرشتوں کا مستقر ہے اس کے اوپر عرش الٰہی ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے مادی تخت و مستقر سے بے نیاز ہے۔

بہرکیف آسمان ایک موجود مخلوق ہے اس سلسلے میں آیات قطعی وارد ہیں اس کا انکار درحقیقت قرآن کا انکار اور پیغمبر کی تکذیب ہے اور کون نہیں جانتا کہ اللہ ورسول کی تصدیق اور قرآن پر ایمان ضروریات دین میں سے ہے اور اس جیسی آیات میں تاویل کی آڑ لینا انکار ہی کے مرادف ہے۔ مودودی صاحب کی گفتگو سے آسمان کے وجود کا انکار اور قرآن وحدیث سے ثابت شدہ اور ادیان سماوی کے ایک متفقہ مسئلہ پر عدم اطمینان مترشح ہوتا ہے اس کی تفسیر ہی کرنی تھی تو یہ کرتے کہ "فلاسفہ کے افکار ونظریات گو کہ آسمان کی حقیقت دریافت کرنے سے قاصر ہیں تاہم قرآن وحدیث نے پوری قوت وصراحت کے ساتھ اسکی حقیقت وجود کا اثبات کیا ہے۔ پس مجملاً اس قول پر اکتفا کرنا کہ اس کی تعیین مشکل ہے اور لوگوں کے نظریات مختلف ہیں آخر اتنی کمزور بات کی کیا ضرورت تھی اور قرآن کی تصریح اور قطعی حدیثوں کی توضیح کے بعد "آراء

رجال" کی حقیقت ہی کیا ہے؟

ناظرین بطور خود اس غلط تفہیم اور اس قطعی مسئلہ کا موازنہ کرلیں۔

سید قطب کی بات سمجھنے میں پھر غلطی:

بات یہ ہے کہ مودودی صاحب نے "ظلال القران" میں یہ عبارت ملاحظہ کی:

الخوض فی الاستواء الا انه امر من السيطرة ولا مجال والقصد بارادة الخلق والتكوين كذلك لامجال للخوض فی معنى السموات السبع المقصودة هنا وتجديداشكالها والبادها اكتفاءً بالقصد الكلی من هذا النص وهو التسوية لكون ارضه وسماته فی معرض استنكار كفر الناس بالخالق المهيمن المسيطر على الكون.اه.

استواء کی حقیقت میں خوض ممکن نہیں بجز اس کے کہ اس کو خلق وتکوین کے ارادہ وغلبہ سے تعبیر کیا جائے ایسے ہی یہاں پر سبع سموات سے جو کچھ مراد ہے اس کو متعین کرنا اس کی شکل کی تحدیث کرنا نیز اس کی مسافت کا پتہ لگانا یہ بھی مشکل ہے پس اس نص سے اجمالاً جو کچھ مراد ہے اسی پر اکتفا کرنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ منکرین نے خالق ومالک اور دنیا کے حاکم ومحافظ کا جو انکار کیا ہے اس کی قباحت وشناعت بتانے کے لیئے زمین وآسمان کی خلقت کا ذکر ہوا ہے (کہ جس نے یہ زمین اور یہ آسمان بنائے اس کی ذات کا انکار کیسی بے عقلی کی بات ہے) مترجم۔

اس مقام پر گو یہ کلام بھی قصور ونقصان سے پاک نہیں تاہم اس میں کوتاہی تعبیر کے علاوہ اور کوئی خامی نہیں ہے لیکن جناب مودودی صاحب نے تو سید قطب کی بات سمجھے بغیر چاہا کہ اس مقام کی شرح وتوضیح میں ان سے بڑھ کر ایک بات کہدیں اس کے نتیجے میں ان کے قلم نے جو شگوفہ کھلایا وہ گمراہی کی حد کو پہنچ گیا ناظرین غور کرلیں دونوں کلاموں میں بین فرق ہے۔

حاصل یہ کہ موصوف کی اس تفسیر سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں قرآنی مضمون پر اطمینان اور حدیث کے ارشاد پر شرح صدر نہیں ہے اللہ رحم فرمائے اس پر جو تعصب وتنگ نظری چھوڑ کر انصاف سے کام لے۔

اکثر پڑھنے والے تو مودودی صاحب کی شخصیت ہی میں مسحور ہو کر رہ جاتے ہیں۔ان کا شعور وادراک ان کی باریکیوں اور خطرناک نتائج کی جانب نہیں پہنچتا جب عام پڑھے لکھے لوگوں کا یہ حال ہے تو نئی نسل بھلا کب ان امور کو سمجھ سکتی ہے جو شیدا ہی ہے آزاد تعبیرات کی! حالانکہ سچی بات یہ ہے کہ عبارت آرائی زق زق دبق بق سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

(۳) رفع طور میں تحریف:

ورفعنا فوقکم الطور کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

لیکن اب اس کی تفصیلی کیفیت معلوم کرنا مشکل ہے بس مجملاً یوں سمجھنا چاہئے کہ پہاڑ کے دامن میں میثاق لیتے وقت ایسی خوفناک صورت حال پیدا کردی گئی تھی کہ

ان کوایسا معلوم ہوتا تھا گویا پہاڑ ان پر آن پڑے گا۔

(تفہیم القرآن ج:اص:۸۳)

یہ تاویل معجزات کا ذوق بعینہ وہی ہے جو معتزلہ کا تھا یہ گویا رفع حقیقی حسی کا انکار ہے اسے ایک خوفناک صورت کا تمثل قرار دیتے ہیں حالانکہ سورہ اعراف میں اور زیادہ صراحت ہے:

واذ نتقنا الجبل فوقهم كانه ظلة وظنوا انهم واقع به

اور جس وقت اٹھایا ہم نے ان کے اوپر پہاڑ مثل سائبان کے اور ڈرے کہ وہ ان پر گرے گا۔

اس صریح ارشاد نتقنا کے بعد اس معتزلانہ تاویل کی گنجائش بالکل ختم ہوگئی۔ امام راغب لکھتے ہیں:

نتق الشی جذبه ونزعه حتی یسترخی قال تعالی واذ نتقنا الجبل.اھ

نتق الشی یعنی کھینچنا اور اکھاڑ دینا کہ اس میں ڈھیلا پن پیدا ہو جائے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے واذ نتقنا الجبل۔الخ۔

پھر وہی نا سمجھی

یہاں بھی تفہیم القرآن کے مؤلف نے صاحب ظلال کی عبارت سمجھنے میں

غلطی کی سید قطب لکھتے ہیں:

انـه میثاق لاینسی فقد اخذ فی ظرف لاینسی اخذ وقد نتق الله الـجبل فوقهم کانه ظلة...... فاعطوه فی ظل خارقة هائلة کـانـت جـدیـرـة ان تـعـصـمهم بعدذلک من الانتکـاس ولقداروفی ظل تلک الخارقة القومیة

(ظلال القرآن ص:۹۹ ج:۹)

یہ ایک نا قابل فراموش عہد ہے جو یادگار ماحول میں لیا گیا۔ یہ عہد لیا گیا اور حالت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو جڑ سے اکھاڑ کران کے سروں پر سائبان کی طرح معلق کر دیا تھا......اس خوفناک خرق عادت (معجزہ) کے سائے میں انہوں نے قول وقرار کیا، اس کا تقاضا یہ تھا کہ اس سے کبھی نہ پلٹتے جبکہ انہیں خوفناک معجزہ کے سائے میں رکھدیا تھا۔ الخ۔

صاحب ظلال کی عبارت میں ظلہ اپنے مشہور معنی سے خارج نہیں ہے اور ''خارقۃ، ہائلۃ'' سے تعبیر کرتے ہیں یعنی (خوفناک معجزہ) مودودی صاحب نے اس میں تحریف کر کے صورۃ ہائلۃ کر دیا یعنی خوفناک صورت حال تا کہ رفع جبل کا استبعاد ختم ہو جائے۔ یہ تحریف ابوالکلام آزاد بھی کر چکے ہیں۔ مودودی صاحب نے یا تو خارقہ کا مفہوم نہیں سمجھا یعنی خلاف عادت معجزۂ خداوندی، یا سمجھا تو ضرور ہے مگر ان کا دل معتزلانہ ساخت کے باعث اس پر مطمئن نہ ہوا اس لئے مسخ وتحریف کر کے صورت حال بنا دیا۔ جو بات بھی ہو یا اسے انکی جہالت کی دلیل سمجھا جائے یا یہ کہ ان کے ذہن ودماغ

میں قدرت الٰہی کے معجزانہ کارناموں کے سلسلہ میں معتزلانہ استبعاد وانکار کا چور موجود مانا جائے۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

(۴) کیا حضرت ابراہیم استدلالی موحد تھے؟

فلما جن علیہ اللیل رأی کوکبا. ۱۵ کی تفسیر میں تحریر کرتے ہیں "یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس ابتدائی تفکر کی کیفیت بیان کی گئی ہے جو منصب نبوت پر سرفراز ہونے سے پہلے ان کے لئے حقیقت تک پہونچنے کا ذریعہ بنا اس میں بتایا گیا ہے کہ ایک صحیح الدماغ اور سلیم النظر انسان جس نے سراسر شرک کے ماحول میں آنکھیں کھولی تھیں اور جسے توحید کی تعلیم کہیں سے حاصل نہ ہوسکی تھی کس طرح آثار کائنات کا مشاہدہ کرکے اور ان پر غور وفکر اور ان سے صحیح استدلال کرکے امر حق معلوم کرنے میں کامیاب ہوگیا...... ایک طالب حق اپنی جستجو کی راہ میں سفر کرتے ہوئے بیچ کی جن منزلوں سے غور وفکر کرنے کے لئے ٹھہرتا ہے اصل اعتبار ان منزلوں کا نہیں ہوتا بلکہ اصل اعتبار اس سمت کا ہوتا ہے جس پر وہ پیش قدمی کر رہا ہے اور اس آخری مقام کا ہوتا ہے جہاں پہنچ کر وہ قیام کرتا ہے۔ بیچ کی منزلیں ہر جویائے حق کے لئے ناگزیر ہیں ان پر ٹھہرنا بسلسلۂ طلب وجستجو ہوتا ہے نہ کہ بصورت فیصلہ۔

(تفہیم القرآن ج:۱ص:۵۵۹)

اس تفسیر میں کئی غلطیاں اور گرفت کی جگہیں ہیں:

(۱) انبیاء علیھم السلام اصل فطرت ہی میں عقیدۂ توحید پر پیدا ہوتے ہیں

توحید کی بنیادیں ابتداہی سے ان کے قلوب میں راسخ ہوتی ہیں اور آغاز کارہی سے انہیں اس پر اطمینان کامل حاصل رہتا ہے ان کی زندگی کا کوئی لمحہ اس پاک اعتقاد سے خالی گذرے ناممکن ہے یہ توامکان ہی نہیں کہ نبی کو وحدانیت کے باب میں کبھی حیرت وتردد کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ حدیث میں ہے:

کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ، ینصرانہ او یمجسانہ.

ہر بچہ (توحید کی) اصل فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اسکے والدین اسے یہودی، نصرانی، یا مجوسی بنادیتے ہیں۔

یہ عام انسانوں کا حال ہے انبیاء تو شروع سے ہی نبوت کے لئے منتخب ہوجاتے ہیں۔ پھر ان کی سلامت فطرت کا کیا حال ہوگا۔ ظاہر ہے کہ ایک اللہ پر ایمان تو ان کی اصل فطرت ہے اس مسئلے میں ان کو نظری استدلال کی کیا ضرورت؟ وہ ہر قسم کے نظر و تفکر سے پہلے ہی اللہ کی وحدانیت اور اس کی یکتائی سے آشنا ہوتے ہیں اہل حق کا یہی مسلک ہے ہاں یہ ممکن ہے کہ کائنات اور اس کے مستحکم نظام پر غور وفکر اور استدلال ونظر کی راہ سے وہ یقین سے عین الیقین اور وہاں سے حق الیقین کے درجات تک ترقی کریں۔ چنانچہ اس کا اشارہ اس سوال وجواب میں ملتا ہے جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور حضرت حق جل مجدہ کے درمیان ہوا تھا۔

رب ارنی کیف تحی الموتی

اے رب مجھے دکھادیجئے کہ آپ مردوں کو کس طرح زندہ کرتے ہیں۔

(۲) جناب مودودی صاحب صراحت فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ توحید کی منزلِ یقین تک پہونچنے میں حیرت وتردد کے مرحلوں سے گذرے ہیں اور استدلال کے بعد مقام ایمان تک ان کی رسائی ہوئی۔ نیز حق وصداقت کی راہ طے کرنے میں انہیں بھی وہ منزلیں قطع کرنی پڑی ہیں جن سے چلنے والے کا سابقہ پڑتا ہے اور مسافران سے دوچار ہوتا ہے۔ انبیاء علیھم السلام کے بارے میں یہ نظریہ غلط درغلط اور سخت گمراہ کن ہے۔ میں جانتا ہوں یہاں بھی انہوں نے سید قطب کے نقش قدم پر چلنا چاہا ہے اور حسب معمول بات کو نہ سمجھ کر غلط راہ پر لگ گئے ہیں گوکہ سید قطب نے بھی اس مقام پر غلطیاں کی ہیں۔

شرک وکفر سے انبیاء...... قبل نبوت بلکہ قبل بلوغ بھی...... معصوم رہے ہیں۔ یہ امت کا اجتماعی اور متفقہ مسئلہ ہے۔ ممکن نہیں کہ انہیں توحید میں کبھی کوئی تردد ہو۔ یا وہ حیرت میں گرفتار ہوں یا کسی سے پوچھنے یا استدلال کی نوبت آئی ہو۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ان کی زندگی کے کسی لمحے میں بت پرستی یا شرک کا کوئی ادنی سا شائبہ بھی خواہ وہ کتنا ہی عارضی اور غیر مستقل ہو اور خواہ وہ درمیان ہی میں ہو...... پایا جائے۔

(۳) سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی یہ گفتگو مشرکین کو لاجواب کرنے کے واسطے "مجاراة مع الخصم "(۱) کے طور پر تھی۔ مقصد یہ تھا کہ توحید کے منکروں پر حجت بالغہ قائم ہوجائے تاکہ انہیں مجال گفتگو نہ رہے۔ یہ گفتگو دراصل ان کی گمراہی پر ایک لطیف تنبیہ اور ان کی کجی سے بچانے کا ایک بہترین اسلوب ہے۔ جو اہل بلاغت

....

(۱) مجاراة مع الخصم کا مطلب یہ ہے کہ اپنے مدمقابل کا دعویٰ فرضاً تسلیم کر کے اس کی اندرونی خرابیاں سامنے لائی جائیں اور اس سے اس پر الزام قائم کیا جائے۔ مترجم

کا طریقہ اور حکیمانہ دعوت کا مقتضا ہے نہ یہ کہ وہ خود حیرت و تردد اور شک و گمراہی میں مبتلا تھے کہ یہ کہنا پڑے کہ ہر راہ رو کو منزل تک پہنچنے میں ان مراحل سے گذرنا ہی پڑتا ہے

حاصل یہ ہے کہ ان کی غلطیوں کے یہ چند نمونے ہیں اور جہاں جہاں وہ جادۂ مستقیم سے زیادہ بہک گئے ہیں وہاں وہاں تو سخت نقد و احتساب کی ضرورت ہے ہماری غرض تو چند جھلکیاں دکھانی تھیں۔ واللہ ولی التوفیق الی الہدایہ۔

مودودی صاحب کی ایک بڑی خیانت

مودودی صاحب کے مقالات اور کتابوں میں ایک بڑا عیب یہ ہے کہ کبھی کبھی جب علماء کی جانب سے ان کی لغزش قلم پر تنبیہ کی جاتی ہے اور خود وہ بھی اپنی غلطی کا احساس کر کے اصلاح کرنا چاہتے ہیں تو اب خواہ یہ رجوع یا عبارت بدل کر صرف تاویل مقصود ہو وہ بعد والے ایڈیشن میں عبارت میں ترمیم و تغیر تو ضرور کر دیتے ہیں مگر اتنی آہستگی سے کہ رجوع یا تاویل کا کسی کو پتہ نہ چلے۔ اب جن کے پاس اگلا ایڈیشن ہوتا ہے وہ تو اس غلطی میں پڑے رہتے ہیں جس میں موصوف مبتلا کر چکے ہیں (۱) انہیں

....

(۱) اس کا ایک بڑا نقصان یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر تنقید کرنے والے نے پہلے اڈیشن کو سامنے رکھ کر تنقید کی ہے تو جماعت اسلامی کے افراد دوسرا ایڈیشن اٹھالاتے ہیں کہ دکھاؤ اس میں کہاں وہ عبارت ہے جس پر تنقید کی گئی ہے پھر یہ الزام رکھتے ہیں کہ ناقدین غلط حوالے نقل کرتے ہیں۔ ایسی صورتیں تجربہ میں آچکی ہیں اس لئے ناقد کو حوالہ میں ایڈیشن نمبر کا حوالہ بھی ضرور دینا چاہئے۔ ان کا ہر ایڈیشن ترمیم و تغیر سے مالا مال ہوتا ہے اور لطف یہ ہے کہ اس کا ذکر تک بھی نہیں کرتے اور کرتے بھی ہیں تو اتنا گول مول کہ معلوم بھی نہ ہو سکے کہ کہاں تغیر کیا گیا ہے اور کیا عبارت بدلی گئی ہے۔ مترجم۔

اس اصلاح کی بالکل خبر نہیں ہوتی کاش وہ اپنی غلطی کا اعلان کر دیتے تو لوگوں کی نگاہوں میں ان کی قدر و منزلت دوچند ہو جاتی اور عنداللہ بھی بری ہو جاتے۔ لیکن افسوس ہے کہ وہ کوئی اعلان نہیں کرتے ایسی صورت بنائے رکھتے ہیں جیسے ان سے کوئی غلطی ہوئی ہی نہیں۔

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کے حق میں انہوں نے ابتداً لکھا تھا کہ:

> "تاہم قرآن کے اشارات اور صحیفۂ یونسؑ کی تفصیلات پر غور کرنے سے اتنی بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ حضرت یونسؑ سے فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہوگئیں تھیں اور غالبا انہوں نے بے صبر ہو کر قبل از وقت اپنا مستقر بھی چھوڑ دیا تھا...... پس جب نبی اداء رسالت میں کوتاہی کر گیا اور اس کے مقرر وقت سے پہلے بطور خود اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔

یہ مضمون نبی کے بارے میں ناقابل تحمل تھا چنانچہ لوگوں نے اس پر انہیں ٹوکا کہ نبی اگر منصب نبوت میں کوتاہی کرے گا تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس میں اس بلند منصب کی اہمیت ہی نہیں۔ اس سے آگے بڑھ کر یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے انتخاب کے باب میں چوک ہوئی گویا اللہ کا علم نہ محیط ہے اور نہ صحیح۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔ اس گرفت کے بعد موصوف نے عبارت بدل دی مگر کوئی اعلان نہیں کیا۔ چنانچہ ابتدائی ایڈیشن میں یہ عبارت بعینہ موجود ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ

علیہ السلام کے جسم سمیت آسمان پر اٹھائے جانے کے مسئلہ میں بھی چپکے سے انہوں نے ترمیم کر ڈالی ایسی اور بھی مثالیں ہیں۔

صحیح روایت کا انکار اور معجزے سے فرار:

شهد شاهد من اهلها کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”بعض روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ شہادت پیش کرنے والا ایک بچہ تھا۔ لیکن یہ روایت نہ تو کسی صحیح سند سے ثابت ہے اور نہ اس معاملے میں خواہ مخواہ معجزے سے مدد لینے کی ضرورت ہی محسوس ہوتی ...... بلکہ یہ شخص ایک معاملہ فہم اور جہاندیدہ تھا جو صورت معاملہ سامنے آتے ہی اس کی تہ کو پہنچ گیا۔ بعید نہیں کہ وہ کوئی جج یا مجسٹریٹ (۱) رہا ہو۔“ (تفہیم القرآن ج:۲ ص:۳۹۴)

موصوف اگر تفسیر کی متداول کتابوں کو پڑھے ہوتے تو ایسی جرأت انہیں نہ ہوتی۔ یہ حدیث صحیح اسناد سے ثابت ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ نے مسند احمد میں اور ابن حبان نے صحیح ابن حبان میں اور امام حاکم نے مستدرک میں حضرت ابن عباسؓ سے اس کو روایت کیا ہے اور حاکم نے حضرت ابو ہریرۃؓ سے بھی یہ حدیث نقل کی ہے اور شیخین (بخاری و مسلم) کے معیار پر صحیح قرار دیا ہے (روح المعانی)

....

(۱) مودودی صاحب کو قدیم واقعات جدید اصطلاحات میں بیان کرنے کا بہت شوق ہے۔

اس طرح کے مواقع صاف بتلاتے ہیں کہ مودودی صاحب کی طبیعت میں معجزات سے فرار کا جذبہ موجود ہے۔ ان کا دل انکار معجزات کی راہیں ڈھونڈھتا رہتا ہے غالباً انہیں خدا تعالیٰ کی وسیع قدرت میں تنگی محسوس ہوتی ہے واقعہ یہ ہے کہ ”استبعاد معجزات“ کا یہ جذبہ آج کل کے بزعم خود ”مدعیان تحقیق“ کا شعار بنا ہوا ہے۔ بہر کیف یہ مباحث ان کی علمی بے بضاعتی اور مسلک اہلسنت والجماعت سے انحراف پر اچھی خاصی روشنی ڈالتی ہیں۔

(۶) حضرت داؤد علیہ السلام کے حق میں بدگوئی

سورہ ”ص“ کی تفسیر میں سیدنا داؤد علیہ السلام کی پاک شخصیت پر ایسی گھناؤنی اور خرافاتی مباحث چھیڑی ہیں جن کے پڑھنے سے رونگٹا کھڑا ہوتا ہے۔ بحث کے دوران طول طویل انجیلی خرافات نقل کی ہیں اور ابتداء تمہید کے طور پر کتاب سموئیل سے تلخیص کر کے نہایت فحش حکایت بیان کی ہے اور ان کو ان الفاظ میں موکد کیا ہے۔

> ”نزول قرآن سے صدیوں پہلے یہ (واقعہ) بائیبل میں درج ہو چکا تھا۔ دنیا بھر کے یہودیوں اور عیسائیوں میں سے جو بھی اپنی اس کتاب مقدس کی تلاوت کرتا یا سنتا تھا وہ اس قصے سے نہ صرف واقف تھا بلکہ اس پر ایمان بھی لاتا تھا۔ انہی بزرگوں کے ذریعہ یہ دنیا میں مشہور ہوا اور آج تک حال یہ ہے کہ مغربی ممالک میں بنی اسرائیل اور عبرانی مذہب کی تاریخ پر کوئی کتاب ایسی نہیں لکھی جاتی جس میں حضرت داؤدؑ کے خلاف اس الزام کو دہرایا نہ جاتا ہو۔“

گویا وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ یہ واقعہ تاریخی کتابوں اور اناجیل کی روشنی میں تواتراً منقول ہے۔ پھر پوری حکایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

اس قصے اور اس شہرت کی موجودگی میں یہ ضرورت باقی نہ تھی کہ قرآن مجید میں اس کے متعلق تفصیلی بیان دیا جاتا اللہ تعالیٰ کا یہ قاعدہ ہے بھی نہیں کہ وہ اپنی کتاب میں ایسی باتیں کھول کر بیان کرے۔ اس لئے یہاں پردے پردے ہی میں اس کی طرف اشارہ بھی کیا گیا...... اصل واقعہ جو قرآن کے مذکورہ بالا بیان سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اوریا (یا جو کچھ بھی اس کا نام رہا ہو) سے محض یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے اور چونکہ یہ خواہش ایک عام آدمی کی طرف نہیں بلکہ ایک جلیل القدر فرماں روا اور ایک زبردست عظمت رکھنے والے شخصیت کی طرف سے رعایا کے ایک مزدور کے سامنے ظاہر کی گئی اس لئے وہ شخص کسی ظاہری جبر کے بغیر بھی اپنے آپ کو اسے قبول کرنے پر مجبور پا رہا تھا۔"

مودودی صاحب نے اپنی دوسری تفسیر تفہیمات میں اس سے زیادہ فحش اور گستاخانہ الفاظ میں یہ واقعہ ذکر کیا ہے انہوں نے لکھا ہے کہ:

"حضرت داؤد علیہ السلام نے جو کچھ کیا تھا اگرچہ وہ بنی اسرائیل کے یہاں عام دستور تھا اور اس دستور سے متاثر ہو کر ان سے یہ لغزش صادر ہوگئی تھی مگر قبل اس کے کہ وہ طلاق دیتا قوم کے دو آدمی اچانک حضرت داؤدؑ کے پاس پہنچ گئے اور انہوں نے اس معاملہ کو ایک فرضی مقدمہ کی صورت میں ان کے سامنے پیش کیا (لیکن انہیں تنبہ ہوا)

چنانچہ فوراً انہوں نے توبہ کی اور غایت درجہ انکساری کے ساتھ خدا سے اپنے قصور کی بخشش چاہی (تفہیمات جلد دوم ص:۴۲)

اور لکھتے ہیں:

"معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو اس خاتون کی خوبیوں کا کسی ذریعہ سے علم ہو گیا تھا اور ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ ایسی لائق عورت ایک معمولی افسر کی بیوی ہونے کے بجائے ملک کی ملکہ ہونی چاہیے۔ اس خیال سے مغلوب ہو کر انہوں نے اس کے شوہر سے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ اسے طلاق دیدے۔ اس میں کوئی دقت انہوں نے اس لئے محسوس نہ کی کہ بنی اسرائیل کے یہاں یہ کوئی معیوب بات نہ سمجھی جاتی تھی......اس پہلو کی طرف جب اس تمثیلی مقدمہ کے ذریعہ ان کی توجہ دلائی گئی تو وہ بلا تامل اپنی اس خواہش سے دستبردار ہو گئے اور بات آئی گئی ہوگئی۔ بعد میں جب کسی وقت ان کی خواہش اور کوشش کے بغیر اس خاتون کا شوہر ایک جنگ میں شہید ہو گیا اور انہوں نے اس سے نکاح کر لیا تو یہودیوں کے خبیث ذہن نے افسانہ تراشی شروع کر دی"

(تفہیم القرآن ج:۴ص:۲۳۸)

افسوس وہ ان خرافات کو بار بار ذکر کرتے ہیں گویا انہیں کوئی خاص حظ (مزہ) ایسا کرنے میں آتا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

"اس سے معلوم ہوا کہ حضرت داؤد علیہ السلام سے قصور تو ضرور ہوا تھا اور وہ کوئی ایسا قصور تھا جو دنبیوں والے مقدمے سے کسی طرح کی مماثلت رکھتا تھا......لیکن اس قصور کی نوعیت ایسی شدید نہ تھی کہ اسے معاف نہ کیا جاتا (تفہیم القرآن ج:۴ص:۳۲۶)

پھر لکھتے ہیں:

"یہ وہ تنبیہ ہے جو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے توبہ کرنے اور بلندی درجات کی بشارت دینے کے ساتھ حضرت داؤد علیہ السلام کو فرمائی۔ اس سے یہ بات خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے کہ جو فعل ان سے صادر ہوا تھا اس کے اندر خواہش نفس کا کچھ دخل تھا اس کا حاکمانہ اقتدار کے نامناسب استعمال سے بھی کوئی تعلق تھا اور وہ کوئی ایسا معاملہ تھا جو حق کے ساتھ حکومت کرنے والے کسی فرمانروا کو زیب نہ دیتا تھا۔

(تفہیم القرآن ج:۴ص:۳۲۷)

اس تفسیر میں کئی مواخذات ہیں:

(۱) آخر انجیل کی عبارتیں نقل کرنی کیا ضروری تھیں جن کے پڑھنے سے کلیجہ چھلنی ہو جاتا ہے۔

(۲) اس کی تمہید میں یہ ذکر کرنا کہ یہ واقعہ مورخین کے نزدیک مشہور ہے اور بنی اسرائیل کا اس پر ایمان تھا، آخر قرآن نے بھی پردے پردے میں اشارہ کیا حد درجہ مہمل اور بیہودہ ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں یہ واقعہ تسلیم ہے۔

(۳) نبی معصوم کی جانب مغلوبیت اور خواہش نفس کا انتساب اور اس حد تک کہ اوریا کی بیوی تک کو نبی اپنے حرم میں داخل کرنے کے لئے اس کے ساتھ طلاق کی خواہش ظاہر کریں بہت گستاخانہ بات ہے۔

(۴) اس میں صراحتہً یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ نبی معصوم......جس کو اللہ تعالیٰ خواہش نفسانی سے محفوظ رکھتا ہے بنی اسرائیل کے ایک رواج سے متاثر ہو گئے اور اس طرح کی تدبیریں اس سوسائٹی میں بعید اور مذموم نہ تھیں یہ ادعاء محض اس کا نتیجہ ہے کہ مودودی صاحب نبوت کے عظیم منصب سے ناواقف ہیں کیا نبی معصوم کے حق میں یہ تصور ہو سکتا ہے کہ وہ نفس کی شہوت وطاعت میں گرفتار ہو، کون سوچ سکتا ہے کہ وہ اپنے نفس کی آرزو پورا کرنے کے لئے حیلہ سازیوں سے کام لے سکتے ہیں؟ انا للہ و انا الیہ راجعون ۔اگر یہ بات مان لی جائے تو منصب نبوت پر اطمینان کی کیا سبیل باقی رہ جاتی ہے۔

(۵) نبی معصوم اور خلیفہ جلیل پر یہ الزام تراشی کہ انہوں نے اقتدار کی طاقت استعمال کی۔ایسا اتہام ہے جس سے ان کی شخصیت داغدار اور ان کا وقار مجروح ہوتا ہے ۔ان کا منصب اس سے کہیں بالا ہے کہ ایسی نامناسب چیزوں کا ان سے صدور ہو۔یہ تمام خرافات ہیں نبی معصوم کا حق اور خلیفہ برحق کا رتبہ اس سے بلند تر ہے۔

(۶) ان کے اس تفسیری حاشیہ کو پڑھنے والے کے حق میں شدید اندیشہ ہے کہ وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں گمراہی کا شکار ہو جائیگا۔ بالخصوص ایسے لوگ جن کا ربط دین کے ساتھ پختہ نہیں ہے اور جنہیں قرآن کی باریکیاں سمجھنے کی

استعداد نہیں ہے بلکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ یہاں سے ترقی کر کے دوسرے انبیاء علیہم السلام پر بھی نقد وجرح کا دروازہ کھولدیں اور ان مقدس حضرات سے بدگمان ہوجائیں۔ یہاں تک نوبت پہنچنے کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ صحابہ وتابعین بچ جائیں گے۔ یہی حضرات ہیں جو حضرت حق جل مجدہ کے یہاں سے حضرت جبرئیل امین کے ذریعہ سے واسطہ در واسطہ بن کر دین ہم تک پہنچا گئے۔ انہیں پر سے اعتماد اٹھ جائے گا (پھر باقی کیا رہ جائے گا مودودی صاحب اور ان کا دین) واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

(۷) حضرت نوحؑ پر بہتان

انی اعظک ان تکون من الجاھلین کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اس ارشاد کو دیکھ کر کوئی یہ گمان نہ کرے کہ حضرت نوحؑ کے اندر روح ایمانی کی کمی تھی یا ان کے ایمان میں جاہلیت کا کوئی شائبہ تھا، اصل بات یہ ہے کہ انبیاء بھی انسان ہوتے ہیں اور کوئی انسان بھی اس پر قادر نہیں ہوسکتا کہ ہر وقت اس بلند ترین معیار پر قائم رہے جو مومن کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ بسا اوقات کسی نازک نفسیاتی موقع پر نبی جیسا اعلیٰ واشرف انسان بھی تھوڑی دیر کے لئے اپنی بشری کمزوری سے مغلوب ہوجاتا ہے لیکن جوں ہی اسے یہ احساس ہوتا ہے یا اللہ کی طرف سے اسے احساس کرادیا جاتا ہے کہ اس کا قدم معیار مطلوب سے نیچے جارہا ہے وہ فوراً توبہ کرتا ہے اور اپنی غلطی کی

اصلاح کرنے میں ایک لمحہ کیلئے بھی تامل نہیں کرتا......لیکن اللہ تعالیٰ جب انہیں متنبہ فرماتا ہے کہ جس بیٹے نے حق کو چھوڑ کر باطل کا ساتھ دیا اس کو محض اس لئے اپنا سمجھنا کہ وہ تمہاری صلب سے پیدا ہوا ہے محض ایک جاہلیت کا جذبہ ہے تو وہ فوراً اپنے دل کے زخم سے بے نیاز ہو کر اس طرز فکر کی طرف پلٹ آتے ہیں جو اسلام کا مقتضا ہے۔

(تفہیم القرآن ج:۲ص:۳۴۳)

اس میں کئی باتیں قابل گرفت ہیں۔

(۱) نبی معصوم کے حق میں جاہلیت کا اثبات کیا جبکہ شروع میں اس کی نفی کر چکے ہیں۔

(۲) نوح علیہ السلام کے متعلق انہوں نے یہ نظریہ قائم کیا کہ وہ کبھی کبھی بشری کمزوریوں سے مغلوب ہو جاتے تھے۔

(۳) نبی کا ہر قول و عمل خالص اللہ کی خوشنودی کے لئے ہوا کرتا ہے وہ کسی غیر صالح سوسائٹی سے متاثر ہوں ان کی شان اس سے بلند تر ہوتی ہے۔ نبی کی تربیت تو ربوبیت خاصہ کے تحت ہوتی ہے ان کا رتبہ اس سے بالاتر ہے کہ وہ جاہلیت کا طریقہ اختیار کریں نبی کا منصب بزرگ سے بعید تر ہے۔

دعویٰ عصمت:

معہذا حیرت کی ایک بات ملاحظہ کیجئے مودودی صاحب نے اپنے متعلق

''رسائل مسائل'' میں ایک عجیب دعویٰ کیا ہے جس کو مولانا قاضی مظہر حسین صاحب نے اپنی کتاب ''مودودی مذہب'' میں نقل کیا ہے لکھتے ہیں کہ:

''میں کبھی کوئی کام بفضلہٖ تعالیٰ جذبہ ومیلان سے مغلوب ہوکر نہیں کرتا اور جو کچھ میں کہتا ہوں خوب تول کر کہتا ہوں اور میں مطمئن ہوں کہ کوئی بات میں نے خلاف حق نہیں کہی۔(۱)(رسائل مسائل ج:۱ص:۳۰۶ طبع ثانی)

سبحان اللہ نبی تو جذبات اور بشری کمزوریوں سے مغلوب اور جاہلی سوسائٹی سے متاثر ہوجائے لیکن مودودی صاحب کا رتبہ اتنا بلند ہے کہ ان سے کوئی بات خلاف حق نکل ہی نہیں سکتی شاید ان کا مرتبہ العیاذ باللہ انبیاء سے فائق ہے جبکہ اللہ کی مشیت ازلی نے ان حضرات کی معصومیت مقدر کررکھی ہے اور وہ ہمیشہ خدا کی نگہداشت میں رہتے ہیں ان کے علاوہ اور افراد انسانی خواہ وہ اولیاء اللہ ہی کیوں نہ ہوں ان میں جذبات وخواہشات کی کشمکش ہمیشہ جاری رہتی ہے۔ یہاں ایک لمحہ ٹھہر کر مودودی کی خود پسندی اوراعجاب کا منصفانہ جائزہ لیکر آپ ہی بتائیں کہ یہ شخص کہاں تک جا پہنچا ہے۔

اس سے زیادہ تکلیف کی بات یہ ہے کہ جو شخص اپنے لئے اس طرح عصمت کی ڈینگیں ہانک رہا ہے انبیاء کے متعلق ''ایک لطیف نکتہ'' یوں تصنیف کرتا ہے:

....

(۱) اصل کتاب رسائل ومسائل ہمارے پاس نہیں ہے ہم نے عربی سے ترجمہ کیا ہے ممکن ہے الفاظ میں کچھ فرق ہوگیا ہو۔ مترجم۔

"اور یہ ایک لطیف نکتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بالارادہ(۱) ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت اپنی حفاظت اٹھا کر ایک دو لغزشیں ہونے دی ہیں تا کہ لوگ انبیاء کو خدا نہ سمجھ لیں اور جان لیں کہ یہ بھی بشر ہیں۔(تفہیمات ج:۲ص:۴۲طبع ثانی)

انبیاء کی بشریت کیلئے کیا اتنی بات کافی نہیں ہے کہ وہ کھاتے پیتے ہیں۔ماں کے شکم سے پیدا ہوتے ہیں تندرستی و بیماری کے احوال سے گزرتے ہیں کیا فقط صدور معصیت ہی سے ان کی بشریت ظاہر ہوگی۔اس نقطۂ نظر کی گمراہی اتنی واضح ہے کہ اس پر تنقید کرنا بھی فضول ہے اللہ ہدایت دے۔

(۸) آدم علیہ السلام زد میں

سورہ طٰہ میں حضرت آدم علیہ السلام کی شان میں (اس ناخلف بیٹے نے مترجم) جو کلمات اور تعبیرات استعمال کی ہیں وہ بھی انتہائی کریہہ اور ناگفتنی ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے جو لغزش صادر ہوگئی تھی اس کی تصویر اس طرح کھینچی ہے کہ

....

(۱) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مودودی صاحب کے نزدیک اللہ تعالیٰ کوئی کام بلاارادہ بھی کرتے ہیں۔اللہ رے! خوئے تعبیر کے دیوانے الفاظ کے دروبست دیکھتے رہو چاہے حقائق کا جنازہ نکل جائے۔(مترجم)

(۲) غالباً مودودی صاحب کے نزدیک خوبصورت ادبی اسلوب میں دی گئی گالیاں پڑا نہیں کرتیں بلکہ شاید کچھ رتبہ ہی بلند کردیتی ہیں انہوں نے انبیاء صحابہ،ائمہ،تابعین،علماء اولیاء سبھی کی اس لوٹ مار کا دسترخوان سے تواضع کی ہے البتہ فتوی کی زبان انہیں ناپسند ہے اس سے برہم ہوجاتے ہیں ان کے حق میں علماء کا تصور یہی ہے کہ انہوں نے فتوی کی زبان استعمال کردی ورنہ اگر وہی باتیں الفاظ و تعبیرات کے حسین آبگینوں میں پیش کی جاتیں تو شاید مودودی صاحب نہال ہوجاتے (مترجم)

شیطان کے بہکانے پر وہ ثابت قدم نہ رہ سکے اور بہک گئے اور شیطانی تحریض کے زیر اثر ان پر ایک ایسا فوری جذبہ طاری ہوگیا کہ ضبط نفس کی قدرت نہ پا سکے اور طاعت کے مقام بلند سے معصیت کی پستی میں جا گرے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

> "یہاں اس بشری کمزوری کی حقیقت کو سمجھ لینا چاہئے جو آدم علیہ السلام سے ظہور میں آئی......بس ایک فوری جذبے نے جو شیطانی تحریض کے زیر اثر ابھر آیا تھا ان پر ذہول طاری کر دیا اور ضبط نفس کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی وہ طاعت کے بلند مقام سے معصیت کی پستی میں جا گرے۔ (تفہیم القرآن ج:۳ ص:۱۳۳)

اس طرح کی تعبیرات حضرات انبیاء علیہم السلام کی شان میں انتہائی بے ادبی ہے جس پر وہ شخص قادر ہی نہیں ہوسکتا جن کے قلب و دماغ میں ان کے منصب عظیم کا کچھ بھی پاس ولحاظ ہوگا۔

ایک اہم نکتہ

یہاں ایک نکتہ اہم سمجھ لینا چاہئے کہ جو عربی کے کلمات مختلف معانی کے لئے استعمال ہوتے ہیں ان کے مفہوم و مطلب موقع ومحل کے لحاظ سے الگ الگ ہوتے ہیں۔ ہر عالم کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان باریکیوں کو کماحقہ سمجھے اور تعبیرات کے فرق کو نگاہ میں رکھے۔ کیونکہ الفاظ وعبارت کی دنیا بیحد تنگ ہے ان سے مختلف النوع معانی اور حقائق کی ادائیگی میں دشواریاں پیش آتی ہیں۔ مجبوراً قدرے تسامح سے کام لینا پڑتا ہے ان کو ہر جگہ ایک ہی معنی میں سمجھنا اور استعمال کرنا یہ وہی شخص کرسکتا ہے جو ان

باریکیوں سے ناواقف اور انبیاء علیہم السلام کی شان میں بے ادب ہو اور ان کے ساتھ عام انسانوں جیسا معاملہ روا رکھتا ہو چنانچہ مودودی صاحب نے اپنے ایک مقالہ میں ...... جو لندن کی ایک کانفرنس میں بھیجا گیا تھا..... حضرت خاتم النبیین کے متعلق صراحۃً لکھدیا ہے کہ:

"نہ وہ مافوق البشر تھے اور نہ بشری کمزوریوں سے بالاتر تھے۔

(ترجمان القرآن اپریل ۱۹۷۶ء)

پھر جب ان پر تنقید کی گئی تو تاویل کرلی کہ بشری کمزوریوں سے مراد بشری خصوصیات ہیں یہ محض تاویل بلکہ محاورہ کی تحریف ہے۔ یہ بات تو انہوں نے تمام انبیاء کے بارے میں اپنے مضامین و رسائل میں تحریر کی ہے اور صحابہ کے حق میں بھی جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ ایک جگہ وہ لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ صرف ان کی پاکدامنی کے اظہار کیلئے نہیں بیان کیا ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے جو قصور سرزد ہوا کہ اللہ کے انتباہ کے باوجود وہ دشمن کے کید میں پھنس گئے۔ اس آزمائش میں وہ تنہا نہیں ہیں بلکہ ان کی پوری ذریت ...... باستثنائے علامہ مودودی مترجم ...... اس میں برابر مبتلا رہتی ہے۔

اور لکھتے ہیں:

یہ سب اس لئے ہوا کہ ان کی خوبیاں بھی اور کوتاہیاں بھی دونوں

ظاہر ہو جائیں اسی لئے اللہ نے امتحان میں ڈالا۔اس سے صاف
ظاہر ہے کہ حرص وطمع کے زیر اثر جو منصب کا امیدوار ہوگا لازماً اس
کے قدم ڈگمگا جائیں گے اور بھول چوک اس کے علم اور یاد پر غالب
رہے گی (ملخصاً ترجمہ عربی)۔

(ترجمان القرآن ص:۱۲۹ ۱۹۵۵ء)

مودودی صاحب کا یہ پورا اندازِ تحریک ایک نبی معصوم جو اللہ کا برگزیدہ اور پسندیدہ ہے کے حق میں حد درجہ گمراہ کن اور گستاخانہ ہے۔اس میں کئی باتیں قابل مواخذہ ہیں۔اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ لکھنے والے کا تعلق اسلام سے ہے ہی نہیں ۔جیسے کوئی نومسلم ہو جسے نہ ابھی نبی کی کوئی معرفت ہو اور نہ رسول کی اور نہ ہی وہ قرآن کے حقائق سے آگاہ ہو فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

خلاصہ یہ کہ عبارتوں کے لفظی اشتراک کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کے معانی بھی ہر جگہ ایک ہی ہوں یا ان سب کا رتبہ یکساں ہو مثال کے طور پر لفظ ''ملیم'' کو اللہ نے سورہ ذاریات میں فرعون کے حق میں ارشاد فرمایا:

فاخذناه وجنوده فنبذنهم فی الیم وهو ملیم

پھر پکڑا ہم نے اس کو اور اس کے لشکروں کو پھر پھینک دیا اس
کو دریا میں اور لگا اس پر الزام۔

اور بعینہ یہی لفظ حضرت یونس علیہ السلام کے حق میں بھی سورۂ صافات میں آیا ہے۔

فالتقمه الحوت وهو مليم.

پھر لقمہ کیا اس کو مچھلی نے اور وہ الزام کھایا ہوا تھا۔

تو کیا دونوں کی حقیقت ایک ہے؟ ہرگز نہیں فرعون کافر تھا۔ اللہ نے اسے ذلیل وخوار کیا۔ یونس علیہ السلام نبی تھے اللہ نے نبوت کے لئے ان کو چنا۔ اگر کوئی شخص دونوں جگہ ایک ہی معنی مراد لینے لگے کہ اللہ نے دونوں کے حق میں ایک ہی کلمہ ارشاد فرمایا ہے تو ایسا شخص جنونی ہے جو اپنی بات بھی سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہے حقائق کا ادراک کیا کرے گا۔ کور محض ہے۔ نعوذ باللہ۔

تاریخ کے ساتھ مذاق

سیدنا ابراہیمؑ کے بارے میں تفہیم القرآن کی عبارت تفہیمات کی عبارت کے مقابلے میں زیادہ بدتر ہے۔ البتہ تفہیمات کے حاشیے کا نوٹ نہایت مکروہ اور مہمل ہے اسے ذکر کرنے سے پیشتر ہم حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث نقل کرتے ہیں جسے امام بخاری امام مسلم اور امام احمد نے متعدد طریقوں سے اور مختلف انداز میں نقل کیا ہے اس میں حضرات مدینہ کے انصار کے ایک زبردست کارنامے اور جلیل القدر ایثار کا ذکر ہے کہ انہوں نے کس طرح اللہ ورسول کے منشا کی اطاعت میں اپنے بھائی مہاجرین کو مال ومتاع جائداد ومکان حتیٰ کہ ازواج تک میں شریک کرلیا تھا اسے تاریخ نے عقد مواخاۃ کے نام سے یاد رکھا ہے اور اس جیسے معاملہ کی نظیر پوری روئے زمیں پر کہیں نہیں ملتی وہ حدیث یہ ہے:

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف جب مدینہ ہجرت کر کے تشریف لائے تو

آنحضرت ﷺ نے ان کے اور حضرت سعد بن ربیع کے درمیان بھائی چارگی قائم فرمادی ان سے حضرت سعد نے کہا کہ: اے میرے بھائی! میں مدینہ میں سب سے مالدار ہوں تم دیکھ کر آدھا مال لے لو اور میرے نکاح میں دو عورتیں ہیں تمہیں جو پسند ہو اسے میں طلاق دیدوں حضرت عبدالرحمٰن نے فرمایا اللہ تمہارے اہل اور مال میں برکت دے مجھے تو بازار کا راستہ بتادو پھر باقی حدیث ہے۔ یہ مضمون مسند احمد کا ہے۔ بخاری میں ای زوجة هويت کے الفاظ ہیں یعنی جس بیوی کی خواہش ہو۔ یہ الفاظ بھی مروی ہیں کہ شئت حتی انزل لک عنها یعنی جس کو چاہو تمہارے واسطے چھوڑ دوں۔

سبحان اللہ! کیا پوری انسانی تاریخ میں اس جیسا نمونہ ایثار و اخوت مل سکتا ہے انہیں اتنی بات بھی بہت تھی کہ مال اور دونوں بیویوں میں نصفا نصف کر دیتے مگر یہ دیکھو کہ جو تمہیں پسند ہو پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا استغنا بھی قابل دید ہے کہ اپنا حق چھوڑ دیا اور برکت کی دعا کی ۔ یہ عجیب و غریب ایثار دیکھو اور یہ حیرت ناک استغنا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بشری لباس میں فرشتے ہیں اللہ نے فرمایا اور سچ فرمایا:

والذين تبوء والدار والايمان من قبلهم يحبون من هاجر اليهم ولايجدون فی صدورهم حاجة مماأوتو، ويوثرون علی انفسهم ولو كان بهم خصاصة ومن يوق شح نفسه فاولئک هم المفلحون.

اور جو لوگ جگہ پکڑ رہے ہیں اس گھر میں اور ایمان میں ان سے پہلے اور وہ محبت کرتے ہیں ان سے جو وطن چھوڑ کر آئے ان کے پاس

اور نہیں پاتے اپنے دل میں تنگی اس چیز سے جو مہاجرین کو دی جائے اور مقدم رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے اور اگر چہ ہو اپنے اوپر فاقہ اور جو بچایا گیا اپنے جی کے لالچ سے تو وہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔

غرضیکہ یہ اسلام اور مسلمانوں کی وہ انوکھی خصوصیت ہے جس کی مثال نہ تو دنیا کی کسی قوم میں پائی جاتی اور نہ کسی دین و مذہب میں۔

اب مودودی صاحب کو دیکھو کہ وہ اس عظیم بے مثال اخلاقی کارنامے کو کیسا بگاڑ کر اور کس درجہ گھٹیا بنا کر پیش کرتے ہیں اس موقع پر وہ ایسی جگہ کھڑے ہوتے محسوس ہوتے ہیں گویا ان کا دل ایمان سے خالی ہے اور اسلام اور مسلمانوں سے انتقام لے رہے ہیں۔ محاسن اسلام کی بے مثال خصوصیت اور مفاخر انصار کا بے نظیر امتیاز! مودودی صاحب اسے بنی اسرائیل کا ایک رواج قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انصار نے یہ اخلاق یہودیوں سے حاصل کئے تھے ان کے الفاظ یہ ہیں:

"اسرائیلیوں کے یہاں یہ کوئی معیوب بات نہ تھی کہ کوئی شخص کسی کی بیوی کو پسند کر کے اس سے طلاق کی درخواست کرے، نہ درخواست کرنے والا اس میں تکلف کرتا اور نہ وہ شخص جس سے درخواست کی جاتی تھی اس پر برا مانتا تھا اور یہ تو ایک عمدہ اخلاق کی بات سمجھی جاتی تھی کہ کوئی شخص کسی دوست کو خوش کرنے یا اس کی تکلیف رفع کرنے کے لئے اپنی بیوی کو طلاق دے کر اس کے نکاح میں دیدے۔ چنانچہ یہ یہودی اخلاق ہی کا اثر تھا جو مدینہ میں بعض انصار اپنے مہاجر بھائی کی خاطر اپنی بیویوں کو طلاق دے کر ان سے

بیاہ دینے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ (تفہیمات ج:۲ص:۴۷)

بھلا یہ ستم ظرفی دیکھو کہ اسلامی حسن اخلاق کو یہودی اخلاق قرار دے ڈالا یعنی یہاں کوئی ایثار ہے اور نہ کوئی کارنامہ، احسان ہے نہ کوئی شرافت، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہی ان کے اس دعویٰ کی بنیاد ہے کہ حضرت داوٗد نے اگر اوریا کی بیوی کی محبت میں مغلوب ہو کر اس کے سامنے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ اس کو اپنے حرم میں داخل کرنا چاہتے ہیں اس لئے وہ اسے طلاق دیدے تو یہ کوئی معیوب اور مذموم بات نہ تھی بلکہ یہ تو ایک اخلاقی ادب تھا اور یہودی معاشرہ میں بالعموم رائج تھا۔ انہیں یہ اسرائیلی حکایت تسلیم ہے البتہ حرمت نبوت کے لحاظ سے اس کو کچھ ہلکا بنا کر پیش کرتے ہیں اور ذہنوں سے اس کی قباحت مٹا دینا چاہتے ہیں۔ یہی مودودی صاحب کی تفسیر ہے اور یہی ان کی تفہیم القرآن ہے۔ جس کے مانند کوئی تفسیر لکھی ہی نہیں گئی۔ بلاشبہ اس جیسی کوئی تفسیر نہیں مگر خرافات میں۔

وہ کہہ سکتا ہے کہ انصار مدینہ بنی اسرائیل کے اخلاق سے متاثر ہو کر اپنی بیویاں چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے تھے، کیا انہوں نے یہ عمل عقد مواخات کے باعث اللہ ورسول کی رضا جوئی میں نہیں کیا تھا؟ اور کیا مودودی صاحب بتا سکتے ہیں کہ یہود میں مال ودولت، کھیت، جائداد اور گھروں کی تقسیم کا یہ اخلاقی ادب موجود تھا جس سے انصار متاثر ہوئے؟ آخر اس بندۂ خدا نے مواخات کی حدیثوں اور تاریخ اسلام سے کیوں آنکھیں موند لیں؟ اور اس طرف کوئی اشارہ کیوں نہیں کیا؟ اور کیوں صرف یہودی خصائل کے ذکر پر اکتفا کیا؟ اور کیوں مسلمانوں کے اس ایثار کو فقط یہودی رواج

کا اتباع قرار دے کر آگے کیوں بڑھ گئے؟ افسوس ہے فکر کی اس کجی اور فہم کے اس زیغ پر! واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

(۹) کیا یوسف علیہ السلام ڈکٹیٹر تھے

مودودی صاحب نے تفہیمات میں " اجعلنی علی خزائن الارض" کے سلسلے میں لکھا ہے " یہ بھی وزیر مالیات کا مطالبہ نہیں تھا جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں بلکہ "ڈکٹیٹر شپ" کا مطالبہ تھا۔ اس کے نتیجے میں سیدنا یوسف علیہ السلام کو جو پوزیشن حاصل ہوئی تھی وہ قریب قریب وہی پوزیشن تھی جو اس وقت اٹلی میں مسولینی کو حاصل ہے...... مضمون لکھتے وقت مسولینی زندہ تھا اور اٹلی کا مختار مطلق بنا ہوا تھا...... اس فرق کے ساتھ کہ اٹلی کا بادشاہ مسولینی کا معتقد نہیں بلکہ محض اس کی پارٹی کے اثر سے مجبور تھا اور مصر میں بادشاہ خود حضرت یوسفؑ کا مرید ہو چکا تھا۔ (تفہیمات ج ۲ ص: ۱۴۲)

اس میں کئی باتیں قابل گرفت ہیں:

(۱) نبی صالح کو دنیا کے بدترین ظالم اور ڈکٹیٹر مسولینی سے تشبیہ بے ادبی کا آخری نقطہ ہے۔ کون نہیں جانتا کہ عصر حاضر میں ظلم وستم اور بدبختی وشیطنت میں ہٹلر و مسولینی کا مماثل کوئی حکمراں نہیں ہوا۔ پوری انسانی تاریخ میں ایسے ظالم و جابر کم گذرے ہیں۔

(۲) کیا نبی کی شان یہی ہے اور کیا ان کے لئے ممکن بھی ہے حکومت میں وہ ڈکٹیٹر بن کر رہیں اور یہ چاہیں کہ اللہ اور یوم آخرت سے نڈر ہو کر من مانی حکومت کرتے رہیں۔

(۳) ایسی ہی باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ مودودی صاحب کا دل منصب رسالت کے احترام سے قطعاً خالی ہے اور وہ اس کو بھی حکومت واقتدار اور غلبہ وتسلط حاصل

کرنے کا ایک دنیوی منصب سمجھتے ہیں۔اللہ کی ذات اس سے عظیم تر ہے کہ ظلم وستم پھیلانے کے لئے ڈکٹیٹر بھیجے۔ایسا ڈکٹیٹر کہ حکومت واستبداد اسے حاصل ہو اور اس کی باز پرس نہ قانون کر سکے نہ جمہور۔انبیاء تو پوری انسانیت میں سب سے بڑھ کر متقی، خداترس اور شفیق ہوتے ہیں۔امت پر ان کی مہربانیاں بالکل عام ہوتی ہیں گو کہ باعتبار درجات کے اس میں کچھ فرق ہوتا ہم ڈکٹیٹر اور جبابرہ کے ساتھ تشبیہ دینا بدترین گستاخی ہے۔انبیاء علیہم السلام کی شان میں تعبیرات نہایت حسن ادب سے لانی چاہئیں۔

(۱۰) حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نوازش

لکھتے ہیں:

"موسیٰ علیہ السلام سے قبل نبوت ایک گناہ کا صدور ہوا تھا کہ ایک شخص کو قتل کر دیا۔چنانچہ جب فرعون نے اس قتل پر عتاب کیا تو انہوں نے یہ کہہ کر اعتراف کر لیا کہ فعلتھا اذا وانا من الظالمین.

(رسائل ومسائل ص:۳۱ جلد ثانی، ترجمان القرآن شمارہ مئی، جون جولائی، اکتوبر ۱۹۴۲ء)

اور لکھتے ہیں کہ:

"حضرت موسی علیہ السلام کی مثال اس جلد باز فاتح جیسی ہے جو سلطنت کا استحکام کئے بغیر آگے بڑھتا چلا جائے اور پیچھے بغاوت جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی چلی جائے۔

(ترجمان القرآن ج:۲۹ ص:۵ شمارہ ۴)

ان دونوں عبارتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قاتل، جلد باز فاتح، اور گمراہ قرار دیا۔حالانکہ یہ قتل خطا تھا اور قصداً انہیں صادر ہوا تھا اور ضالین میں یہاں ضلال کا دہ

معنی نہیں ہے جو کفر اور گمراہی کے ہم معنی اور رشد وہدایت کی ضد ہے۔ ہم پہلے واضح کر آئے ہیں کلمات میں لفظاً اشتراک ہوتا ہے (مگر معنی میں بہت فرق ہوتا ہے) ایسی تعبیر قرآن میں خود سرور کائنات سید الانبیاء امام المتقین ﷺ کے لئے بھی موجود ہے "ووجدک ضالا فھدیٰ" کون کہہ سکتا ہے کہ معاذ اللہ یہاں ضلال کا وہی معروف معنی مراد ہے۔

(۱۱) تمام انبیاء زد میں

مودودی صاحب کا کہنا ہے کہ:

"انبیاء مقرب ومقبول ہونے کے باوجود بشر اور بندے ہی ہوتے ہیں ان سے رائے اور فیصلے میں غلطی ہو سکتی ہے۔ وہ کوئی معبود نہیں ہیں وہ بیمار بھی ہوتے ہیں ان پر ابتلائیں بھی آتی ہیں اور انہیں سزائیں بھی دیجاتی ہیں۔ ان کے الفاظ یہ ہیں: "حتی کہ قصور بھی ان سے ہو جاتے تھے انہیں سزا تک دی جاتی تھی۔

(ترجمان القرآن شمارہ مئی ۱۹۵۵ء ص:۱۵۸)

اس کا مطلب قارئین کیا سمجھیں گے یہی تو کہ وہ جرائم کا ارتکاب کرتے تھے اور انہیں سزائیں بھی دی جاتی تھیں یہ اور اس جیسی عبارتیں انبیاء کے حق میں جو کہ اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں فطرۃً لوگوں کے دلوں میں یہی تاثر پیدا کرتی ہیں کہ انبیاء بھی عام انسانوں کی طرح ہیں جیسے عام انسانوں سے غلطیاں اور قصور سرزد ہوتے ہیں ایسے ہی انبیاء بھی محفوظ نہیں ہیں۔ انہیں کوئی خاص خصوصیت حاصل نہیں ہے۔ انبیاء صحابہ اور اولیاء کے حق میں ان کا جو بیباکانہ اسلوب اور گستاخانہ لب ولہجہ ہے اس میں یہی روح کام کر رہی ہے۔

(۱۲) انبیاء پر دوسری زد

اور لکھتے ہیں:

"اور تو اور بسا اوقات پیغمبروں تک کو اس نفس شریر کی رہزنی کے خطرے پیش آئے ہیں۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو ایک موقع پر تنبیہ کی گئی۔ ولا تتبع الھویٰ فیضلک عن سبیل اللہ۔ (تفہیمات ص:۱۶۱ ج:ا طبع خامس)

اس عبارت میں صاف تصریح ہے کہ انبیاء علیہم السلام نفس کی آفات سے محفوظ نہ تھے۔ یہاں یہ حقیقت سمجھ لینی چاہئے کہ پیغمبروں کے حق میں ولا تتبع الھویٰ جیسی عبارتیں امر ونہی کے سلسلے میں جو آئی ہیں (تو یہ کسی غلطی ہو جانے کے سبب سے نہیں بلکہ) ان کی جلالت قدر کے پیش نظر آئی ہیں۔ ان کا مواخذہ خطرات ووساوس پر بھی ہو جاتا ہے۔ ان کو اس قسم کی ہدایت بغیر کسی توقع اور انتظار کے دی جاتی تھیں۔(۱) اس کی مثالیں قرآن میں بہت ہیں۔

(۱) مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں بہت سی جگہوں پر انبیاء کو کسی بات کا امر کیا گیا یا کسی امر سے منع کیا گیا تو اس کا یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے، کہ پیغمبروں نے ضرور کسی غلطی کا ارتکاب کیا ہوگا جبھی تو یہ احکام ان پر صادر ہوئے۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ سے ارشاد ہے ولا تتبع اھواء الذین لا یومنون بالآخرۃ۔ یعنی آپ ان لوگوں کی خواہش پر نہ چلئے جن کا ایمان آخرت پر نہیں ہے۔ تو کیا کوئی دیوانہ یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے۔ نعوذ باللہ کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی خواہشات کا اتباع کر لیا تھا اس لئے تنبیہ فرمائی ہر گز نہیں ایسے ہی داؤد علیہ السلام سے جو یہ کہا گیا ولا تتبع الھویٰ اس کا مطلب یہ ہر گز نہیں کہ انہوں نے خواہش نفس کی پیروی کر لی تھی اسی وجہ سے ٹوکا گیا۔ یہ فہم تو بس ابوالاعلیٰ مودودی صاحب ہی جیسے "ذہین مفکر" کو حاصل ہے۔ مترجم۔

(۱۳) بخاری کی روایت کا انکار اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے حق میں شرمناک تعبیر

"ولقد آتینا سلیمان والقینا علی کرسیه جسدا ثم اناب" کی تفسیر میں ایک لمبی تفصیل کرنے کے بعد اس کو قرآن کے مشکل ترین مقامات میں شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ (اس کی تفسیر میں جو حدیث بیان کی جاتی ہے کہ) حضرت سلیمانؑ نے ایک روز قسم کھائی کہ آج رات میں اپنی ستر بیویوں کے پاس جاؤں گا اور ہر ایک سے ایک مجاہد فی سبیل اللہ پیدا ہوگا۔ مگر یہ بات کہتے ہوئے انشاء اللہ نہ کہا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صرف ایک بیوی حاملہ ہوئیں اور ان سے بھی ادھورا بچہ پیدا ہوا جسے دائی نے لاکر حضرت سلیمانؑ کی کرسی پر ڈال دیا۔ یہ حدیث حضرت ابوہریرۃؓ نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے اور اسے بخاری و مسلم اور دوسرے محدثین نے متعدد طریقوں سے نقل کیا ہے..... ان میں سے اکثر روایات کی سند قوی ہے اور باعتبار روایت اس کی صحت میں کلام نہیں کیا جا سکتا لیکن حدیث کا مفہوم صریح حدیث کے خلاف ہے اور پکار پکار کہہ رہا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ بات اس طرح نہ کہی ہوگی جس طرح وہ نقل ہوئی ہے..... ایسی روایت کو محض صحت سند کے زور پر لوگوں کے حلق سے اتروانے کی کوشش کرنا دین کو مضحکہ بنانا ہے۔ پھر موصوف نے اس حدیث کی عملی تفسیر میں وہ بھونڈا پن اختیار کیا ہے کہ بےحیائی بھی شرما جائے کہتے ہیں:

"اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس رات بغیر دم

لئے فی گھنٹہ ٦ بیوی کے حساب سے مسلسل دس یا گیارہ گھنٹے مباشرت کرتے چلے گئے کیا یہ ممکن ہے۔" (تفہیم القرآن ج:۴ص:۳۳۷)

مودودی صاحب نے اس مضمون کی شرمناک وضاحت جس درجہ بے باکی اور دیدہ دلیری کے ساتھ کی ہے اس سے روح تھرتھرا اٹھتی ہے اور رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ نبی معصوم جس کو اللہ تعالیٰ نے چالیس جنتی مردوں کی قوت عطا فرمائی اور جنتی مردوں کو دنیا کے لحاظ سے سو آدمیوں کی قوت بحکم حدیث ثابت ہے۔ اس طرح نبی اپنے اندر چار ہزار مردوں کی طاقت رکھتا ہے۔ پھر نبی اور بادشاہ بھی ایسا جو جہاد فی سبیل اللہ کا شائق اور دشمنوں سے قتال کا انتہائی آرزومند رہتا ہے وہ چاہتا ہے کہ اس کی اولاد میں بکثرت مجاہد فی سبیل اللہ ہوں اس کی تصویر کشی اس بدترین صورت میں گویا کہ وہ ایک شہوت پرست اور لذت نفس کا گرویدہ انسان ہے اور اپنی طبیعت سے بالکل مجبور و مغلوب ہے...... افسوس شرم آنی چاہئے ..... آخر اس سے بڑھ کر نبی معصوم اور منصب نبوت کی توہین و تذلیل اور کیا ہو سکتی ہے؟

مزید برآں یہ کہ وہ ایک حدیث صحیح کا انکار بھی کر ڈالتے ہیں جو کہ کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب میں موجود ہے۔ محض اس لئے کہ ان کی عقل اس کو قبول نہیں کرتی۔ وہ اپنی عقل سے اور اپنی جہالت سے اس طرح کی صحیح حدیثوں کو بے دریغ جھٹلاتے رہتے ہیں۔ تف ہے ایسی عقل کوتاہ پر (جو اپنی نارسائی پر رونے کے بجائے) رسول اللہ ﷺ کی احادیث صحیح پر تنقید کرے۔ پھر لطف یہ بھی ہے کہ اس عقدہ کا کوئی حل اور اس اشکال کو کوئی جواب نہیں ذکر کیا۔ بس معاملہ کو مشتبہ بنا کر رکھ دیا لکھتے ہیں:

”غالباً آپ نے یہود کی یاوہ گوئیوں کا ذکر کرتے ہوئے کسی موقع پر بطور مثال کے بیان فرمایا ہوگا اور سامع (حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ) کو یہ غلطی(۱) لاحق ہوگئی کہ اس بات کو حضور ﷺ بطور واقعہ بیان فرما رہے ہیں۔ (تفہیم القرآن ج:۴ص:۳۲۷)

دیکھو مودودی صاحب نے کس دیدہ دلیری سے صحابی رسول ﷺ کو غلط فہمی میں مبتلا قرار دیا جب صحابہ ہی (جو آپ کے مخاطب اول تھے) اور امت کے ذکی ترین افراد ہیں۔ آپ کا کلام نہ سمجھیں تو بھلا کسی نقل و روایت پر اطمینان کا کیا ذریعہ ہوسکتا ہے۔

قارئین بغور ملاحظہ کریں کہ اس شخص نے اپنی اس بے باکانہ تحریر میں نبی معصوم کے حق میں شرمناک، لائق ننگ، اور ان کے دامن عصمت کو داغدار بنا دینے والی کوئی بات بھی چھوڑی یہ تمام ہی چیزیں ان کی طرف منسوب کر کے رکھ دیں اور بیک حملۂ قلم صحابہ پر بھی غلط فہمی بلکہ بدفہمی کی تہمت لگا ڈالی۔

میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور اب پھر کہتا ہوں کہ انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام کے شان میں بھی ان کی تحریریں ناقابل تحمل اور گمراہ کن ہیں۔

یہ ہے ان کی تفہیم القرآن“ ہماری سمجھ میں یہ کسی طرح نہیں آتا کہ اس کے پڑھنے والے جو اس پر فریفتہ ہیں ان پر یہ باتیں مخفی کیسے رہ جاتی ہیں۔ بس یہی بات

---

(۱) اللہ رے آپ کی فہم و دانائی۔ ابوہریرۃؓ تو نہ سمجھے بعد کے محدثین نے بھی نہ سمجھا اور نہ کسی کی عقل صریح کے خلاف یہ مضمون ثابت ہوا۔ ساڑھے تیرہ سو سال بعد مودودی صاحب کی عقل صریح کے خلاف یہ مضمون پڑ گیا اور وہ غالباً حضورؐ کا منشا بھی پاگئے۔ حد ہوگئی ادعاء خود پسندی کی بھی۔ افسوس کہ ایک ہی دانا امت میں پیدا ہوا مگر امت نے قدر نہ کی!

ہے" فانها لاتعمى الابصار ولكن تعمى القلوب اللتى فى الصدور"۔ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ سینوں کے اندر دل ہی اندھا ہوتا ہے۔اللہ رحم کرے ان پر جو انصاف سے کام لے کر حق کا راستہ چلے اور تعصب کی راہ چھوڑ دے۔

خلاصہ کلام:

بہر کیف صبح روشن کی طرح یہ بات واضح ہوگئی کہ موذودی صاحب نے (اللہ ان کو راہ حق کی ہدایت فرمادے) بڑے بڑے انبیاء کی تنقیص واہانت کی ہے۔چنانچہ حضرت آدم ، حضرت نوح،حضرت ابراہیم،حضرت موسیٰ، حضرت یوسف،حضرت داؤد، حضرت سلیمان،حضرت یونس علیہم السلام کی توہین کی بلکہ حضرت خاتم النبیین حبیب رب العالمین ﷺ کی شان اقدس میں ایسے گستاخانہ کلمات تحریر کئے ہیں جو انتہائی گمراہ کن اور خطرناک ہیں۔

اس مسئلے میں فقہائے امت اور علمائے اسلام نے جو کچھ فرمایا ہے (وہ بالکل ظاہر ہے) مثلاً امام ابو یوسف نے" کتاب الخراج " میں قاضی عیاض مالکی نے "شفا" میں۔شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے "الصارم المسلول علی شاتم الرسول " میں......اس کتاب میں امام موصوف کی وسعت علمی بحر ذخار کی مانند لہریں مار رہی ہیں اور موسلا دھار برس رہی ہے......امام تقی الدین سبکی شافعی نے " السیف المسلول " میں۔اور فقیہ شام علامہ ابن عابدین شامی نے اپنی تالیف " تنبیہ الولاۃ والحکام علیٰ احکام شاتم خیر الانام او احد اصحابہ الکرام "میں نیز امام العصر علامہ انور شاہ محدث کشمیری نے "انکار الملحدین فی ضروریات الدین"

میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ آج بھی امت کے سامنے روشن اور قول فیصل ہے۔ ہر اس شخص کے حق میں جو رسول اللہ ﷺ کو برا کہے یا آپ کی تکذیب کرے یا عیب چینی کرے یا تنقیص کرے یا آپ کے علاوہ کسی اور نبی کی بدگوئی سے اپنا اعمالنامہ سیاہ کرے۔ یہ حکم شرعی ہے جس پر سب متفق ہیں۔ جس کا جی چاہے ان کتابوں سے مراجعت کرے۔ یہ سب کتابیں بجز "السیف المسلول للسبکی" کے سب شائع ہو چکی ہیں۔

ہمارے خیال میں اس فرصت قلیلہ میں عقلمندوں کے واسطے "تفہیم القرآن" اور "تفہیمات" پر بطور نمونہ یہ چند تنقیدات بہت کافی ہیں۔ واللہ سبحانہ ولی الامور۔

وصلی اللہ علی حبیبہ سیدنا محمد وعلی اخوانہ من النبیین
والمرسلین وعلی الصحابۃ والتابعین الی یوم الدین.

اعجاز احمد اعظمی

۱۸ محرم الحرام ۱۴۰۰ھ

خانقاہ شریف حضرت مولانا قاری شاہ

محمد مبین صاحب مدظلہ

۲۳/ بخشی بازار، الٰہ آباد